رجسٹرڈ نمبر اے ۱۵۲

معارف

مجلسِ دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

مجلد چہارم	ماہ شوال ۱۳۳۷ھ مطابق جولائی ۱۹۱۹ء	عدد ۱

مضامین

ادبیات

اکبر، نواب، اسلم، ۴۷-۷۷

مطبوعات جدیدہ

۸۰-۷۸

فہرست مضامین جلد سوم مع سرورق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پریسیڈنٹ ولسن، جو اسوقت یورپ و امریکہ کے سیاسی اکھاڑہ مین مصالحت و آشتی کے تنہا علمبردار ہین، شاید کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ بہت بڑے عالم و مصنّف بھی ہین، سیاسیات و ادب پر انکی متعدد و بلند پایہ تصانیف شائع ہو چکی ہین، اور حکومت امریکہ کی صدر نشینی سے پیشتر انکی حیثیت تمامتر علمی تھی، فن قانون مین وہ ڈاکٹر ہین، امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی مین مدتون وہ فن سیاسیات (پالیٹکس) کے پروفیسر رہے ہین، قانون بین الاقوامی کے اختلافی مسائل مین انکی رائے بہ حیثیت ماہر فن ہونے کے ہمیشہ مستند و مسلم رہی ہے، غرض انکی ایک عمر علم و فن کی خدمتگزاری مین صرف ہو چکی ہے، دیکھنا ہے کہ عملی سیاسیات مین پڑکر اسکی نجاستون سے وہ اپنے دامن کو آخر تک صاف رکھنے مین کس حد تک کامیاب ہوتے ہین، افلاطون نے کہا تھا، کہ دنیا مین امن و نظم اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے، جب حکومت کی باگ اہل علم و حکمت کے ہاتھ مین آجائے، کیا سنہ ۱۹ء مین اس خواب کی تعبیر پوری ہو سکے گی؟

پیرس کی ایک معتدد جماعت کے سامنے پریسیڈنٹ ولسن نے اپنی تقریر مین فخریہ کہا تھا کہ مین سیاسی زندگی مین یونیورسٹی اسپرٹ (تعلیمی روح) داخل کر رہا ہون، پھر اس "تعلیمی روح" کی خود ہی تشریح کی کہ اس سے مراد یہ ہے، کہ جو چیزین زندگی مین خلوص اور احقاق حق سے مانع ہوتی ہین، ان پر غالب آیا جائے"۔

کاش پریسیڈنٹ موصوف کو اپنی اس تعلیم پر عمل کی بھی توفیق ہو!

مہاراسٹر مین ایک ممتاز علمی انجمن انڈین ہسٹاریکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے نام سے پونہ مین قائم ہے جسکا سالانہ جلسہ حال مین منعقد ہوا تھا، انجمن کا مقصد ہندوستان اور بالخصوص اپنے صوبہ سے متعلق اعلی تاریخی تحقیقات کا مذاق پیدا کرنا ہے، اُسکی عمر ابھی کل آٹھ سال کی ہے، لیکن اتنے ہی عرصہ مین اسکی مختلف مجلسون مین تقریباً ایک ہزار علمی عنوانات پر مذاکرہ ہو چکے ہین، جنمین سے اکثر مرہٹون کی تاریخ سے متعلق خاص اہمیت رکھتے ہین، اور جنکے ذریعہ سے متعدد انگریز مورخون کی غلطیون کی پردہ دری ہو چکی ہے، مطبوعات انجمن کی تعداد ۵۰ تک پہنچ چکی ہے، جنکی مجموعی ضخامت چھ ہزار صفحون سے کم نہین، اسوقت انجمن کے ذخیرہ مین تیس ہزار قلمی مسودات، اور ایک کثیر تعداد مین قلمی تصاویر، مرقع، کتبہ، سکہ، وغیرہ موجود ہین، انجمن کے موجودہ ارکان کی تعداد پانچ سو ہے، جس مین ہندوستان کے بعض اکابر فضلا، مثلاً ڈاکٹر بھنڈارکر، پروفیسر جادوناتھ سرکار شامل ہین اسکے سرپرست مہاراجہ گیکواڑ ہین، اور ریاست بڑودہ اکثر مطبوعات خرید کرتی رہتی ہے، اب انجمن کو اپنے نایاب ذخیرہ تاریخی، اور دفتر وغیرہ کے لئے ایک وسیع عمارت کی ضرورت ہے، جسکا تخمینۂ مصارف دو لاکھ ہے، لیکن یہ ایسی رقم ہے، جسے مرہٹون کی باہمت قوم چند ماہ مین فراہم کر سکتی ہے، وہ مسلمانون کی قوم نہین، جس نے اپنی یونیورسٹی بنانا چاہی، مگر چند روز مین طبیعت اُچاٹ ہوگئی، وہ بدنصیب اُردو بولنے والون کی جماعت نہین جسنے آج انسائکلوپیڈیا کا منصوبہ باندھا، اور کل دوسرے کھلونے سے دل بہلانے لگے،

مرہٹی ایک صوبہ کی مخصوص زبان ہے، پھر انسٹیٹیوٹ مذکور کا دائرہ بھی تاریخ تک محدود ہے، اس پر بھی اسکے ارکان کا شمار پانچ سو تک ہے، اردو اسکے مقابلہ مین تمام ملک کی زبان ہے، نیز انجمن ترقی اردو کا دائرہ کسی خاص علم وفن تک محدود نہین، اس تناسب سے انجمن اُردو کے ارکان کی تعداد کم از کم پانچ ہزار ہونا چاہئے تھی، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ وہ پانچ سو بھی نہین، بلکہ شاید مین بہ ہزار دشواری کہین جا کر تین سو ہوئی ہے، ورنہ دو سال پیشتر تو انکی تعداد ڈہائی سو سے زاید نہ تھی!! ہمارے " انکے " رفتار عمل کا فرق اسی سے ظاہر ہے!

مغرب کے اہل ثروت اگر روپیہ کمانا جانتے ہین، تو ساتھ ہی اسے مفید مصارف مین لگانا بھی جانتے ہین، امریکہ کے مشہور ملک التجار اینڈریو کارنیگی "شاہ آہن" اور اسکی بے شمار دولت کے افسانہ اکثرون نے سُنے ہونگے لیکن دولت قارون کا یہ مالک، دل حاتم رکھتا ہے، امریکہ و یورپ کے ہزارہا کتبخانہ اسی کی فیاضیون کے بل پر چل رہے ہین، حال مین اندازہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ صرف اسی ایک (کتبخانہ کی) مد مین اسکے عطایا کی میزان ۶ سو کرور تک پہنچتی ہے!

بمبئی و کلکتہ، سورت و رنگون، دہلی و کانپور کے باہمت و غیرت مند مسلمان تاجرون نے کبھی یہ خبر سُنی ہے

یورپ کی یونیورسٹیون مین آکسفرڈ و کیمبرج کو اپنی قدامت پسندی پر ناز تھا، امریکہ و جرمنی کی یونیورسٹیان روز ایک نیا قدم آگے بڑھاتی تھین، لیکن انگلستان کے یہ دونون مرکزی دار العلوم اپنی جگہ پر بالکل ثابت و غیر متحرک رہتے تھے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، لیکن اب زمانہ کی قوت سے مغلوب ہو کر انہین بھی اپنے نظام مین بعض اہم اصلاحات کرنا پڑی ہین، اب تک یہ قاعدہ تھا کہ ان یونیورسٹیون مین داخلہ کے وقت طلبہ کو یونانی زبان کے صرف ونحو مین امتحان پاس کرنا ہوتا تھا، حالانکہ محض ابتدائی صرف ونحو کے امتحان سے یونانی زبان تو انہین آتی نہ تھی، البتہ یہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک نامانوس و خشک مضمون پر غیر دلچسپ محنت کرنے سے طلبہ کی قوت دماغی کو نقصان پہنچ جاتا تھا، لیکن وہی قدامت پرستی و عصبیت جو ہندوستان کے عربی مدارس مین اصلاح نصاب کے نام سے لرز اُٹھتی ہے، انگلستان مین بھی مدتون اصلاح کی راہ مین حایل رہی، اب جا کر یہ قاعدہ دونون یونیورسٹیون نے توڑا ہے، آئندہ ان مین داخلہ کے لئے یونانی صرف ونحو مین امتحان، پاس کرنے کی قید اُٹھ گئی ہے،

کیمبرج و آکسفرڈ کی ڈگریون کا دروازہ اب تک صنف نازک کے لئے بند تھا، اب کیمبرج یونیورسٹی نے

ایک کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے، کہ عورتون کے لئے اس راہ مین سہولتین پیدا کی جائین، توقع ہے کہ عنق
دونون یونیورسٹیون سے مردون کے پہلو بہ پہلو لیڈیان بھی ہر قسم کی ڈگریان لیکر نکلنے لگین گی، یورپ کے
تمدن کی جو نوعیت ہے، اسکے لحاظ سے حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اب تک ایسا کیون نہ تھا،

ہر ملک کی یونیورسٹیان وہان کے سب سے بڑے علمی مرکز ہوتے ہین، جنکا کام محض امتحان لینا اور اسنا
تقسیم کرنا نہین ہوتا، بلکہ جنکے مقاصد مین طلبہ کے معلومات و واقفیت مین اضافہ کرنا انکی دماغی سطح کو بلند کرنا انمین
مذاق علم پیدا کرنا، انکے لئے علمی تحقیقات کے وسایل وسامان بہم پہنچانا، سب کچھ داخل ہوتا ہے، ان اغراض کی تکمیل
کیلئے یہ لازمی ہے، کہ ہر یونیورسٹی ایک جامع وعظیم الشان کتبخانہ رکھتی ہو، چنانچہ یورپ وامریکہ کی یونیورسٹیان اس
معیار پر پورا اترنے کی پوری کوشش کرتی ہین، لیکن ہندوستان کی یونیورسٹیان اس لحاظ سے ان سے کیا تناسب
رکھتی ہین؟ اسکا جواب ذیل کے خاموش اعداد دینگے،

یونیورسٹی		تعداد کتب[1]
آکسفرڈ،	(انگلستان)	۸ لاکھ
کیمبرج،	(")	۷ لاکھ
لندن،	(")	۱ لاکھ ۹۵ ہزار
ابرڈین،	(اسکاٹ لینڈ)	۲ لاکھ
ہارورڈ،	(امریکہ)	۱۱ لاکھ ۲۱ ہزار
شکاگو،	(")	۴ لاکھ ۵۹ ہزار
پرنسٹن	(امریکہ)	۳ لاکھ ۶ ہزار
کیوٹو،	(جاپان)	۱ لاکھ ۹۰ ہزار
کلکتہ،		۴۰ ہزار
لاہور		۳۰ ہزار
الہ آباد،		۱۲ ہزار ۸ سو

[1] یہ ملحوظ رہے کہ یہ اعداد جو پروفیسر جیونس کے ایک مضمون سے ماخوذ ہین، مغربی کتبخانون کے آج کے نہین، بلکہ دس سال پیشتر کے ہ
جسکے معنی یہ ہین کہ ان مین اور زیادہ اضافہ ہوچکا ہوگا، بہ خلاف اسکے ہندوستانی یونیورسٹیون کے کتابون کی موجودہ تعداد درج ہ

یونیورسٹیان ہندوستان مین بھی ہین، اور یورپ وامریکہ مین بھی لیکن دونون کے ثمرات مین جو نمایان فرق
ہے اسکا حل یہین سے ہوجاتا ہے، یونیورسٹی بغیر ایک اعلی کتبخانہ کے محض ایک قالب بے روح ہے،

اردو کی ترقی واحیاء کے سلسلہ مین سب سے پہلے عملی دستگیری سرکار دکن نے کی، کہ اسکی ایک مخصوص
یونیورسٹی قائم کردی، غنیمت ہے کہ حکومت ہند کی یونیورسٹیان بھی اب اردو کا درجہ کسی قدر پہچاننے لگی ہین کلکتہ
یونیورسٹی کا قدم ترقی و روشن خیالی کے میدان مین ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون سے آگے ہے، اسنے حال مین
اپنے نصاب تعلیم مین ورناکیولرز (ملکی زبانون) کو بھی داخل کیا ہے، اور ان مین ایک ملکی زبان اردو کو بھی قرار
دیا ہے، دیکھنا ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی جو اردو کے مرکز اصلی مین قائم ہے اس اصلاح سے کب اور کس حد تک متاثر ہوتی ہے،
الہ آباد یونیورسٹی کے ماتحت ابتدائی مدارس مین اردو کا جو نصاب داخل ہے، انمین بعض کتابون کی زبان
اس درجہ ناقص ہے کہ مشکل سے کوئی صفحہ فاحش اغلاط سے خالی ملے گا، اور بدقسمتی سے جو بچے اردو زبان لیتے ہین،
وہ انہین کتابون کے پڑھنے پر مجبور ہوتے ہین، اگرچہ غیر افسران سررشتہ تعلیم سے اسکی چندان شکایت نہین، اصلی شکوہ
مسلمان اراکین سینٹ سے ہے، جو اگر براہ راست نہین تو بالواسطہ یقیناً اس صریحی ظلم کے روکنے مین معین ہوسکتے تھے،
انکی خدمت مین بہ ادب یہ عرض ہے کہ یونیورسٹی کی فیلوشپ محض رسوخ وحکام رسی کا ذریعہ نہین بلکہ اپنے ساتھ کچھ فرائض
بھی رکھتی ہے، اگر انہین اپنے فرائض کا احساس نہین، تو بہتر ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنی جگہون سے ہٹ جائین کہ میدان،

اغیار کے لئے بالکل خالی ہوجائے، اور جو حشر اُردو کا کل ہوتا ہے، وہ آج ہی ہوجائے،

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہوجائے   تم خفا ہو تو اجل ہی کو مین راضی کرلون (شبلی)

تاریخ مین کم ازکم یہ تو نہ لکھا جائے، کہ اُردو کو جسوقت جام زہر پلایا جارہا تھا اُسوقت ساقی گری کی خدمت بعض وہ اصحاب بھی انجام دے رہے تھے، جو اپنے تئین اسکا پرستار کہتے تھے،

عملی سیاسیات مین طلبہ کی مداخلت سے جو مضر و افسوسناک نتائج ہندوستان مین پیدا ہوئے ہین یہی صورت یورپ امریکہ کے ہر متمدن ملک مین پیش آئی ہے، حال مین امریکہ کے مشہور تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے ایک فاضل مضمون نگار نے اسکا یہ علاج تجویز کیا ہے، کہ سیاسیات کی تعلیم داخل نصاب کردی جائے یعنی طلبہ کو ابتدا ہی سے یہ بتا معلوم ہوتا رہے، کہ ملکی نظم و نسق مین کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، ان پر غالب آنے کے کیا طریقہ ہین، غیر اقوام سے کیسا تعلقات رکھنے چاہئے، اپنے ملک کے مختلف گروہون کے اختلافات کو کیونکر دور کرنا چاہئے نیز یہ اصولی مباحث کہ مختلف ممالک مین کیا کیا انتظامات حکومت قایم رہے ہین، ملکی رفتار ترقی پر انکا کیا اثر پڑا ہے، وقس علی ہذا، طلبہ ان مسایل پر اگر ابتدا ہی سے غور و فکر کے خوگر ہوجائینگے، تو بہ قول مضمون نگار کے ان مین ذمہ داری کا پورا احساس پیدا ہوجائیگا اور آگے چلکر بجائے شورش و فساد کی ہنگامہ آرائیون کے ان مین واقفیت و معلومات، متانت و سنجیدگی کے ساتھ معاملات ملکی پر نظر کرنے کا سلیقہ پیدا ہوجائے گا،

اگر امریکی حکومت مین یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا تو ممکن ہے کہ دوسری حکومتون مین بھی اسکی تقلید کا شوق پیدا ہو،

میسور و حیدر آباد کے بعد تیسری ریاست بڑودہ ہے، جو اپنی علیحدہ یونیورسٹی قایم کرنے والی ہے، زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ یونیورسٹی کی ساری اسکیم ایک ہندوستانی فاضل مسٹر سیشادری سابق پرنسپل ہندو کالج بنارس نے مرتب کی ہے جو شائع ہوگئی ہے،

دار المصنفین و معارف نے اپنی بساط کی مطابق بُری یا بھلی جو کچھ خدمت بھی علم و زبان کی بن پڑتی ہے اسکا ذکر انگریزی صحایف مین ایک سے زاید بار آچکا ہے، ۱۶ جون کے لیڈر (الہ آباد) کے علاوہ کرانیکل (بمبئی)، ونیو انڈیا (مدراس) وغیرہ مین بھی حوصلہ افزا نوٹ نکل چکے ہین، ان معاصرین کے حُسن ظن کا شکریہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو معیار پیش نظر ہے اسکے لحاظ سے ابی کچھ نہو سکا

مقالات

توجہ

کی

ماہیتِ نفسی

از مولوی عبد الماجد بی - اے، ایم آر اے ایس

ایک شخص سر شام کمرہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے، فرش پر کوئی سیاہ شے متحرک نظر آتی ہے، مگر تاریکی مین شناخت نہین ہوتی، وہ اُسے قریب آکر بغور دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک کیڑا ہے یہ غور سے دیکھنا ایک عمل توجہ تھا،

ہم کمرہ مین بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے کہ ہوا مین زور سے سرسراہٹ کی آواز آنے لگی مگر یہ پتہ نہین چلتا کہ کس شے کی آواز ہے، ہم کان لگا کر آواز کو سننے لگے تو معلوم ہوا کہ چھت پر سے ہوائی جہاز گذر رہا ہے، یہ اسکی سرسراہٹ ہے، یہ کان لگا کر سننا توجہ کے ساتھ سُننا تھا۔

استاد درجہ مین سبق پڑھا رہا ہے، ایک گوشہ مین دو لڑکے آپس مین باتین کر رہے ہین، استاد سبق کو روک کے بغور اس آواز کو سُننے لگتے ہین تو پتہ چل جاتا ہے کہ فلان فلان طالبعلم باتین کر رہے ہین، ظاہر ہے کہ ان طلبہ کی آواز اب بھی ٹھیک اُسیقدر رہی جتنی پہلے تھی، لیکن فرق یہ ہوگیا کہ استاد نے اب ادہر توجہ کی

تم ایک مشہور شخص کا لکچر سن رہے ہو، جو کچھ وہ کہہ رہا ہے حرف بحرف تمہارے ذہن نشین ہوتا جاتا ہے

اتنے مین تمہین اپنے گھر کا ایک بہت ضروری کام یاد آگیا، اور تم نے اُٹھنا چاہا لیکن اُٹھے نہین، البتہ اس اثنا مین لکچرر نے جو کچھ کہا وہ بالکل تمہارے ذہن مین نہ اُترا، ظاہر ہے کہ تمہاری اور لکچرر کی حالت مین اور کوئی فرق نہین ہوا، بجز اسکے کہ اتنی دیر تم اسکی جانب سے بے توجہ رہے،

ان مثالون کی مدد سے یہ معلوم ہوا کہ "توجہ" نام ہے شعور مین مرکزیت پیدا کرنے کا، یا شعور کو کسی ایک خاص مرکز پر مجتمع کرنے کا، شعور جب تک ایک منتشر و پراگندہ حالت مین ہے، انسان خالی الذہن رہتا ہے، لیکن جب اسکی قوت ایک خاص نقطہ پر اگر جمع ہو جاتی ہے تو انسان کسی شے کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے، نور کی شعاعین جب تک پراگندہ و متفرق رہتی ہین، روشنی دہیمی رہتی ہے لیکن جب کسی ایک نقطہ کو مرکز بنا لیتی ہین، تو روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے، یہی حال شعور کا ہے، توجہ، شعور کا کوئی مخصوص و مستقل شعبہ نہین، بلکہ صرف اسکی مرکزیت کا نام ہے، بغیر توجہ کے شعور کا کوئی عمل اپنی مکمل صورت کو نہین پہنچتا، ہمارے ارادے اسی وقت پختہ ہوتے ہین، جب ہم اُن پر توجہ کرین، جذبات اسی وقت قوت حاصل کرتے ہین، جب ہم انکی جانب متوجہ رہین، استدلال و استنباط، مشاہدہ و تجربہ، استخراج و استقرا، ان مین سے ہر شے کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے لازمی ہے کہ انسان توجہ سے کام لیتا رہے،

توجہ کی تعریف یون بھی کیجا سکتی ہے کہ جس عمل سے شعور کے تموجات کسی ایک خاص رخ پر لائے جائین وہ توجہ ہے، اور یہی توجہ کے لفظی معنی بھی ہین، لغت مین ہے "توجہ اے رو بہ چیزے آوردن" شعور و توجہ کے باہمی تعلق کی تصویر شکل ذیل سے پیدا ہوتی ہے:-

شعور

تجربہ مین توجہ کی دو مختلف صورتین برابر آتی رہتی ہین، ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم بغیر اپنے "قصد و ارادہ" کے محض کسی مہیج خارجی کے اثر سے خود بخود کسی شے کی جانب متوجہ ہو جاتے ہین، بادل دفعتہً زور سے گرجتا ہے، اور ہر شخص خود بخود چونک پڑتا ہے، سامنے یک بیک زور سے بجلی چمکتی ہے، اور ہماری آنکھین آپسے آپ بند ہو جاتی ہین، ان صورتون کو اصطلاح مین توجہ اضطراری کہتے ہین، دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی کوشش سے یا بالقصد اپنے تئین کسی شے کی جانب متوجہ کرتے ہین، ریاضی کا سوال ہمین استاد دیتا ہے، اور ہم اپنے تئین بالقصد اسکے حل کرنے پر آمادہ کرتے ہین، کالج کا گھنٹہ بجتا ہے، اور ہم دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر بالقصد درجہ مین جاتے ہین، یہ مثالین توجہ ارادی کی ہوئین، گویا توجہ اضطراری مین نفس کی حیثیت انفعالی ہوتی ہے، اور وہ معمول و متاثر رہتا ہے، اور توجہ ارادی مین نفس کی حیثیت فاعلی ہوتی ہے، اور وہ عامل و موثر رہتا ہے،

بہت سے اعمال زندگی ایسے ہوتے ہین جنمین توجہ اضطراری و توجہ ارادی دونون مشترک و مخلوط ہوتی ہین، استاد درجہ مین کاپیون کی اصلاح مین مصروف ہوتا ہے کہ ایک طرف سے زمین پر کتابون کے گرنے کی آواز آتی ہے، اسکی گردن بیساختہ اٹھتی ہے اور وہ چارون طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ یہ کس طالبعلم کی حرکت ہے، اس عمل کا جزو اول یعنی استاد کی گردن کا بیساختہ اُٹھ جانا توجہ اضطراری کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ اسمین اسکے قصد و ارادہ کو دخل نہ تھا، اور جزو دوم یعنی شور کرنے والے طالبعلم کا پتہ لگانا توجہ ارادی کا معلول تھا کہ یہ فعل اُس نے اپنی خواہش و ارادہ کے ماتحت کیا،

توجہ اضطراری ایک عام و قدرتی شے ہے، جاہل، وحشی، بچہ، سب اسکے حصہ دار ہوتے ہین، یہانتک کہ حیوانات بھی اس سے محروم نہین ہوتے، البتہ توجہ ارادی، مشق و تربیت کی محتاج ہوتی ہے، جس سے چھوٹے بچہ اور وحشی افراد ایک بڑی حد تک محروم ہوتے ہین، اس بنا پر جائز ہے کہ

توجہ اضطراری کو توجہ وہبی، اور توجہ ارادی کو توجہ اکتسابی سے بھی موسوم کرین،

توجہ اضطراری کن کن اسباب وحالات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے؟

(۱) **تازگی دماغ** - چھوٹے بچون کو دیکھو، صبح سویرے کیسے چست وچاق، خوش وخرم نظر آتے ہین، اور شام کو خستہ ومضمحل معلوم ہوتے ہین، صبح ہر چیز مین دلچسپی لیتے ہین، شام کو سونے کی ضد کرتے ہین، قیام توجہ کے لئے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ دماغ ونظام عصبی مین ایک کافی ذخیرہ قوت موجود ہو، اسی سرمایۂ قوت کو عرف عام مین "تازگیٔ دماغ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس شخص مین فطرۃً یہ ذخیرۂ قوت زیادہ ہوتا ہے، اسیقدر وہ توجہ کو بھی عرصہ تک قائم رکھہ سکتا ہے، خود ایک ہی شخص مین جس وقت یہ ذخیرہ جسقدر زاید ہوتا ہے، اُسی نسبت سے وہ زیادہ عرصہ تک اپنی توجہ کو قائم رکھہ سکتا ہے، اور جون جون خستگی کے سبب سے یہ ذخیرہ گھٹتا جاتا ہے، قوت توجہ مین بھی کمی آتی جاتی ہے،

(۲) **قوت ہیجِ** - بادل کی تیز گرج، ریل کی سخت گھڑگھڑاہٹ سے ہر شخص چونک پڑتا ہے، لیمپ کی تیز روشنی، بجلی کی تڑپ سے سب کی آنکھ جھپک جاتی ہے، بہت سخت بو یا خوشبو ممکن نہین کہ شامہ متاثر نہو، معلوم یہ ہوا کہ ہیجِ جسقدر قوی ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس میں جلب توجہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے،

(۳) **تنوع ہیجِ** - ایک بچہ کسی تاریک کمرہ مین لیٹا ہوتا ہے، اور روتا ہے، دایہ کمرہ مین لیمپ لاتی ہے، اور وہ معاً چپ ہوجاتا ہے، اس جدید ہیجِ نے بچہ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی، اور وہ بہل گیا، ایک ہیجِ کے دیر تک قائم رہنے سے طبیعت اسکی طرف سے اُچاٹ ہوجاتی ہے، قیام توجہ کے لئے ضروری ہے کہ ہیجِ بدلتا رہے، "کل جدید لذیذ" کے مقولہ کی صحت کی بنیاد اسی اصول پر ہے، تھیٹر مین غم وشادمانی کے پردے بدل بدل کر اسی لئے آتے رہتے ہین کہ طبیعت ایک ہی قسم کی باتون سے اکتا نہ جائے۔

(۴) **نوعیت ہیجِ** - بچہ کو جو التفات اپنی مان کے ساتھ ہوتا ہے، کسی اور کے ساتھ نہین ہوتا، انسان کو جو کشش اپنے وطن کے ساتھ ہوتی ہے اور کسی مقام سے نہین ہوتی، ہر فرد بشر کے لئے بعض مخصوص ہیجِ بمقابلہ دوسرے ہیجات کے بجاے خود زیادہ دلاویزی ودلکشی رکھتے ہین اور ہر فرد مین قیام توجہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسی مخصوص نوعیت کے ہیجات اسکے سامنے آئین جو اسکے لئے دلکش ہون،

لیکن خود "دلکشی" کا کیا مفہوم ہے؟

لکھنؤ مین ہر سال صدہا بیرونی اشخاص وسیّاح آیا کرتے ہین، لیکن یہان سے واپسی پر ہر شخص کی معلومات وواقفیت کی یادداشت دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہے، ایک شخص صرف یہان کی مشہور عمارات کو دیکھتا ہے، دوسرا صرف یہان کے مشاہیر طبیبون اور ڈاکٹرون سے ملتا ہے، تیسرا یہان کے بڑے بڑے کتبخانون کی سیر کرتا ہے، چوتھا یہان کی صرف بڑی بڑی دکانون کارخانون اور بازارون کو دیکھتا ہے، غرض گو لکھنؤ شہر سب دیکھتے ہین لیکن ہر شخص کے مشاہدات وتجربات دوسرے سے الگ ہوتے ہین، ایک روزانہ اخبار ایک ہی وقت مین ہزارون ہاتھون مین پہنچتا ہے، لیکن ہر شخص کے لئے اسکی حیثیت جداگانہ ہوتی ہے، کوئی خرید وفروخت اشیا کے اشتہارات دیکھتا ہے، کوئی صرف ملازمت کے اشتہارات پر نظر کرتا ہے، کوئی محض جنگ کے تار پڑھتا ہے، کوئی صرف مقامی حالات کی تلاش کرتا ہے، کوئی صرف ایڈیٹوریل مضامین پڑھتا ہے، اور کوئی اول سے آخر تک ایک ایک حرف پڑھجاتا ہے، غرض جس تعداد مین ناظرین ہوتے ہین، اتنی ہی حیثیات سے اخبار بھی دیکھا جاتا ہے، یہی حال دنیا کی ہر شے کا ہے، ہمارے گرد وپیش ہر وقت مدرکات کا ایک انبوہ بے پایان رہتا ہے، لیکن ہمارے علم وادراک مین انکا صرف ایک محدود حصہ آتا ہے، روزانہ صدہا آوازین ہمارے کانون تک پہنچتی ہین لیکن

ہمارے لئے غیر مسموع رہتی ہے، صدہا مناظر آنکھون کے سامنے ہوتے ہین، لیکن ہمارے لئے غیر مرئی رہتے ہین، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کائنات کی جن چیزون سے نفس کو کوئی تعلق یا ذوق ہو، صرف وہی علم وشعور مین آتی ہین، باقی حدود شعور سے خارج ہجاتی ہین، ہر شخص اپنے ماحول سے جن چیزون سے ذوق وتعلق رکھتا ہے، صرف اُنھین چن لیتا ہے، باقی جتنی چیزین غیر دلچسپ ہوتی ہین، اُنھین وہ چھوڑ دیتا ہے، گویا وہ اسکے لئے وجود ہی نہین رکھتین، بلکہ معدوم ہوتی ہین، یہی سبب ہے کہ ہر شخص کا دائرہ معلومات دوسرے سے مختلف ہوتا ہے،

غرض "دلکشی" سے مراد یہ ہے کہ کسی شے سے دل کو لگاؤ ہو یا دل اسکی جانب ازخود کھنچے اسکے عناصر ترکیبی حسب ذیل ہوتے ہین۔

(۱) ندرت - ایک کھانا روز کھاتے رہنے سے طبیعت اُکتا جاتی ہے، بہتر سے بہتر افسانے بکثرت سن چکنے کے بعد طبیعت پر بار ہو جاتے ہین، دلکشی کا سب سے بڑا عنصر جدت وندرت ہے کسی شے کے پامال وفرسودہ ہونے کے معنی ہی یہ ہین کہ اب اسمین دلاویزی باقی نہین رہی،

(۲) مانوسیت - کسی جاہل دہقانی کے سامنے غالب کا شعر پڑھا جاے تو اُسے مطلق لطف نہ آئیگا چار برس کے بچہ سے اگر محبت ازدواجی پر گفتگو کیجاے تو اسکے لئے بالکل بے مزہ رہیگی، دلکشی کا بڑا راز اسی مانوسیت مین پوشیدہ ہے، ندرت، اجنبیت اور انوکھے پن کے مرادف نہین، ہر ہیج مین جدت وندرت ضرور ہونا چاہیئے، لیکن ساتھ ہی اسے مانوس ہونا بھی ضرور ہے، بالکل نامانوس شے سے ذہن کو وحشت ہوتی ہے، جو لوگ شعر وشاعری سے مانوس نہین اُنھین مباحث شعری "خشک" معلوم ہوتے ہین

(۳) جذبہ انگیزی - بچون کو دیکھا ہوگا کہ وہ سامنے اپنے کھیل مین ہمہ تن مشغول معلوم ہوتے ہین لیکن دوران گفتگو مین جہان کہین انکا نام آجاتا ہے، سر اُٹھا کر دیکھنے لگتے ہین، ایک مصنف اخبار پڑھتا ہوتا ہے، دوسرے صفحہ پر اُسے اپنی کسی تصنیف کے نام کی جھلک نظر آتی ہے، اور معاً نظر

اُچٹ کر وہین پہنچتی ہے، وہ ہیج یقیناً دلکش ہوتا ہے، جس سے ہمارے کسی جذبہ کو تحریک ہوتی ہو، خواہ یہ جذبہ ہماری ذات سے متعلق ہو، یا ہمارے اغراض ومقاصد سے، خواہ پرلطف ہو یا دردانگیز ہو لیکن بہرحال کسی نہ کسی جذبہ کو اس سے تحریک ضرور ہونا چاہیئے، اپنے مخصوص اعزہ واحباب کی کامیابیون کے ذکر مین ہمین خاص دلکشی ہوتی ہے، اِسلئے کہ یہ تذکرے ہمارے لئے پرلطف ہوتے ہین، انکی مظلومیت ومصیبت کے بیان کرنے مین بھی ہمین دلچسپی ہوتی ہے، اِسلئے کہ اس مین بھی ایک خاص طرح کا درد محسوس ہوتا ہے،

(۴) تضاد وتقابل - سفید براق کپڑے پر سیاہ دھبہ، نستعلیق کتابت مین خط نسخ کا کوئی لفظ، سنجیدہ تقریر مین ظریفانہ فقرہ، پردیس مین کسی شناسا کی جھلک، احباب کے مجمع مین کسی اجنبی کی شکل، یہ تمام چیزین ایسی ہین جن پر یقیناً نظر جم جاتی ہے۔

(۵) اعجوبگی - معمولی قابلیت کا استاد پہلے اصل مسئلہ بیان کرتا ہے، پھر مختلف مثالون سے اسکی تشریح کرتا ہے، اس سے زیادہ ہوشیار استاد یہ کرتا ہے کہ پہلے مختلف مثالین دیتا ہے، اور انکی مدد سے طلبہ کو ایک جدید نتیجہ تک پہنچاتا ہے، اِسلئے کہ جو شے بالکل کھلی ہوئی سامنے موجود ہوتی ہے، اسکی بابت ذہن مین کوئی جستجو وتفتیش نہین پیدا ہوتی، بخلاف اسکے جو شے اپنے اندر کوئی راز وپیچیدگی رکھتی ہے اسکے دریافت کرنے کا خود بخود اشتیاق پیدا ہوتا ہے، ناول وڈراما کے پلاٹ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ پراسرار ہو تاکہ شوق آخری صفحہ تک قائم رہے،

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شے مین دلکشی کے یہ تمام، یا اُن مین کے متعدد عناصر ایک ساتھ پائے جاتے ہین، اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس ہیج کی دلکشی کئی گنی بڑھجاتی ہے، شیکسپیر کا کوئی تماشہ جسوقت کوئی اعلیٰ کمپنی کرتی ہوتی ہے تو اکثر تماشائی بالکل محو ہو جاتے ہین، اسلئے کہ اسوقت دلکشی کے یہ تقریباً کل عناصر ایک ساتھ اپنا عمل کرتے ہوتے ہین۔

توجہ کی طرح دلکشی کی بھی دو صورتین ہوتی ہین، ایک صورت تو یہ ہوئی کہ جیسے بچون کو مٹھائی سے خاص رغبت ہوتی ہے، دوسری صورت یہ کہ جیسے ڈاکٹر کا دل، چیر پھاڑ اور اعمال جراحی مین لگتا ہے، پہلی قسم کو فطری یا طبعی کہتے ہین، اور دوسری کو اکتسابی، طبعی دلکشی صرف انہین چیزون سے ہوتی ہے جو بلا واسطہ و بجائے خود مرغوب و محبوب ہوتی ہین، اکتسابی دلکشی ان چیزون سے ہوتی ہے جو براہ راست و بجائے خود دلکش نہین ہوتین، بلکہ دوسری دلکش چیزون کے واسطہ سے رفتہ رفتہ خود بھی دلکش بنجاتی ہین، تصویرین، باجہ، اور مٹھائیان بچون کے لئے ایک ذاتی کشش رکھتی ہین، ڈاکٹر کو عمل جراحی بجائے خود مرغوب نہین ہوتا، لیکن اس سے جو فوائد مترتب ہوتے ہین وہ اس عمل کو بھی مرغوب بنا دیتا ہے، اکثر صورتون مین کسی امر کی محض عادت و مزاولت ہی اسکے ساتھ اکتسابی دلکشی پیدا کر دیتی ہے۔

ان تصریحات سے اب نظر آگیا ہوگا کہ توجہ اضطراری اور دلکشی کے درمیان چند قدم سے زاید فاصلہ نہین، بعض حکمار نے توجہ اضطراری و ارادی کے درمیان یہ فرق قرار دیا ہے کہ اول الذکر دلکشی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے، اور آخر الذکر سعی و کوشش کی بنا پر، گویا اسکے معنی یہ ہین کہ توجہ اضطراری کا ماخذ جذبات ہین، اور توجہ ارادی کا ماخذ ارادہ، لیکن مزید غور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو توجہ ارادی کی علت قریبہ ارادہ ہوتا ہے، لیکن حقیقی و اصلی ماخذ اسکا بھی وہی جذبات ہی ہوتے ہین اسلئے کہ گو بالفعل ارادہ ہی توجہ ارادی کو قائم رکھے ہوئے ہوتا ہے، لیکن بالآخر خود اس ارادہ کی زندگی جذبات ہی کے سہارے پر ہوتی ہے،

بچہ جب پڑھنے بٹھایا جاتا ہے تو عموماً شروع شروع اسکا دل بالکل نہین لگتا، اور وہ تعلیم سے بھاگنا چاہتا ہے، لیکن سبق سے متعلق تصویرین، کھلونے وغیرہ جو ہوتے ہین انسے اسے دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ قدرتاً انکے متعلق سوالات کرتا ہے، استاد اگر دانشمند ہے تو سبق کو ان متعلقات سبق سے بالکل وابستہ کر دیتا ہے، اور ان دلچسپیون کو مختلف طریقون سے برابر ترقی دیتا رہتا ہے، اس سے رفتہ رفتہ بچہ کی طبیعت پڑھنے لکھنے سے مانوس ہو جاتی ہے، یہانتک کہ کچھ عرصہ کے بعد عادت قائم ہو جاتی ہے، اور اب وہ بر بنا رعادت تعلیم پر توجہ کرنے لگتا ہے، گویا جو شے پہلے بالکل بے لطف و بدمزہ تھی، وہ مختلف جذبات کی وساطت سے بالآخر پر لطف و دلکش بنجاتی ہے، البتہ استاد اگر نادانشمند ہے تو وہ توجہ کی بنیاد دلکشی کے جذبات پر قائم نہین کرتا، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبعلم کو کبھی توجہ ارادی کی عادت نہین پڑتی، اور وہ ساری عمر علم و تعلیم سے جی چراتا رہتا ہے، اس مثال سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ توجہ ارادی بھی جذبات ہی کو ایک خاص سلیقہ کے ساتھ منتظم و مرتب کرنے کا نام ہے، اور توجہ کی دونون قسمین بلحاظ اپنے اصلی اور آخری اجزار ترکیبی کے متحد الاصل ہین،

ایک فرنچ محقق پریز اپنے ملک کے ایک شش سالہ بچہ کا حال بیان کرتا ہے کہ وہ بہت ہی بدشوق اور تعلیم سے گریز کرنے والا تھا، ایک روز اس نے خود بخود پیانو بجانا شروع کیا، اور اسکی ایک خاص گت کو جو اسکی والدہ کو بیحد پسند تھی، کوئی ایک گھنٹہ تک برابر بجاتا رہا، مان اس سے بہت ہی خوش ہوئی، کچھ روز کے بعد ایک دن اسکی دایہ دیکھتی کیا ہے، کہ بچہ اپنے والد کی میز کے سامنے بیٹھا کچھ لکھنے مین مشغول ہے، دایہ نے حیرت سے پوچھا کہ آج یہ کیا ہو رہا ہے تو بچہ نے جواب دیا کہ

"ایک کاغذ پر جرمن لکھ رہا ہون، اسمین جی تو نہین لگتا، لیکن امان جان اسے دیکھکر کیسا خوش ہونگی"،

عبارت زیر خط سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ توجہ ارادی کا ماخذ اصلی بھی جذبات ہی ہوتے ہین، بچہ اپنے اس عمل مین صاف توجہ ارادی سے کام لے رہا تھا، اپنی کوشش و ارادہ سے ایسا کام کر رہا تھا جس پر اسکی طبیعت آمادہ نہ تھی، محض اسلئے کہ مان کو خوش کر کے بالآخر خود بھی خوشی حاصل کرے۔

پروفیسر ریبو نے توجہ ارادی کے ارتقا کی تین منزلین قرار دی ہین، دور اول مین استاد

جذبات مفردہ کی مدد سے توجہ اضطراری کی مدت قیام کو تدریجاً بڑھاتا ہے، انعام کی طمع، اپنی خوشنودی کی چاٹ، سزا کا خوف وغیرہ، مختلف محرکات ومرغبات کی وساطت سے وہ توجہ اضطراری کو برابر تحریک وتقویت پہنچاتا رہتا ہے، دوسرے دور مین وہ ذرا بلند تر محرکات کو اپنا مخاطب بناتا ہے، مثلاً جذبات خودداری، اعزاز نفس، سابقت، بلند نظری، فرض شناسی وغیرہ یہ وہ دور ہوتا ہے جب توجہ ارادی پیدا ہو چکی ہوتی ہے، اور ضرورت صرف اسکی رہ جاتی ہے کہ اسمین قیام وثبات پیدا کیا جائے، یہ مقصد تیسرے دور مین عادت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، دنیا مین بہ استثناء شاذ کوئی اپنی جگہ اور اپنی حالت پر خوش ومطمئن نہین، ہر شخص دوسرون کی حالت پر رشک کرتا ہے، وکیل، تاجر، ملازم، زمیندار، ایڈیٹر، مصنف، ہر صیغہ کا شخص دوسرون کو اپنے سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتا ہے، لیکن باوجود اس بے قناعتی وبے اطمینانی کے دنیا مین کوئی عام شورش وبغاوت نہین پیدا ہو جاتی، بلکہ ہر شخص اپنے اپنے پیشہ وشغل مین متوجہ ومصروف رہتا ہے، اسکی بنیاد تمام تر عادت پر ہے۔

غرض آخر مین عادت ہی توجہ ارادی کے قیام وتحفظ کی ضامن رہجاتی ہے، اور ابتدا مین اسکی تکوین وپیدائش جذبات کے ہاتھون عمل مین آتی ہے، وکیل کی انتہائی آمدنی اگر ابتدا ہی سے ہونے لگے، تو کون شخص مقدمات کی تیاری کی زحمتون کو برداشت کرے؟ تاجر کو اگر آغاز کار ہی مین پورا نفع حاصل ہو جائے تو کون کاروبار کی دقتون کو گوارا کرے؟ ملازم کو اگر شروع ہی سے اعلیٰ ترین منصب پر سرافراز کر دیا جائے تو کون شخص محکومیت واطاعت کی ذلتون اور سختیون کی تاب لائے؟ طلبہ اگر مکتب مین قدم رکھتے ہی ہر طرح کی کامیابی حاصل کر لین، تو کون طالبعلم ایک دن بھی پڑھنے پر توجہ کرے؟ خلاصہ یہ کہ دنیا مین جو کوئی بھی کسی شے پر اپنی توجہ ارادی صرف کرتا ہے، وہ کسی نہ کسی توقع ہی کی بنا پر کرتا ہے، جس سے بالآخر کسی جذبہ کی تسکین مقصود ہوتی ہے۔

توجہ اضطراری مین شغل موجودہ مقصود بالذات ہوتا ہے، اور توجہ ارادی مین کسی مقصد کے حصول کا آلہ یا ذریعہ ہوتا ہے، ایک بچہ کو ریاضی کا ایک سوال حل کرنے کو دیا جاتا ہے، جو بجای خود اسکے لئے ذرا بھی دلکشی نہین رکھتا، لیکن اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ چھٹی ملنا اُسکے حل کرنے پر موقوف ہے اب اس شے یعنی چھٹی پانے کو وہ منتہاے مقصود قرار دیکر سوال حل کرنے مین مشغول ہو جاتا ہے، اور اسپر اپنی پوری توجہ صرف کرنے لگتا ہے، سوال کو حل کرنا مقصود بالذات نہین محض اُسکے اوپر وہ کبھی توجہ قائم نہین رکھہ سکتا ہے، لیکن ایک پیش نظر مقصود کے حصول مین بطور آلہ یا واسطہ کے یہ پورا کام دیسکتا ہے۔

توجہ ارادی بظاہر ایک مدت تک قائم رہتی ہے، لیکن کیا واقعہ بھی یہی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ہر چند لمحون کے بعد انسان کی طبیعت ہٹنے لگتی ہے، لیکن معاً اصل مقصد کا تخیل پھر پیش نظر ہو جاتا ہے، اور اس سے ہر مرتبہ تازہ دم ہو کر انسان پھر از سر نو صرف توجہ کرنے لگتا ہے، امتحان مین جب طلبہ پرچہ لیکر بیٹھتے ہین، اُسوقت انہین اس کیفیت کا خاص طور پر تجربہ ہوتا ہے، ذرا ذرا دیر کے بعد طبیعت اُکتاتی ہے، لیکن فوراً ہی خیال آجاتا ہے کہ یہ امتحان کا نازک وقت ہے، جسکے نتیجہ پر کامیابی و ناکامیابی کا انحصار ہے، اور یہ خیال آتے ہی پھر وہ جوابات مین مشغول ہو جاتے ہین، اس لحاظ سے توجہ ارادی، توجہ اضطراری ہی کے ایک تسلسل کا نام ہے، توجہ ارادی گویا ایک زنجیر ہے جسکا ہر حلقہ الگ الگ کر کے دیکھا جاے تو توجہ اضطراری ہی کا نظر آئیگا۔

لیکن جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ توجہ ارادی کے عناصر ترکیبی، توجہ اضطراری ہی کے اعمال ہوتے ہین، اُسی طرح یہ کہنا بھی غلط نہین کہ اکثر توجہ ارادی رفتہ رفتہ توجہ اضطراری کی شکل مین تبدیل ہو جاتی ہے، اس معنی مین کہ پہلے جن اعمال پر کوشش وقصد سے صرف توجہ کیجاتی تھی، وہ ایک عرصہ کی مشق ومزاولت کے بعد اضطراراً سرزد ہونے لگتے ہین، اور از خود جالب توجہ کرنے لگتے ہین، ابتدی

مقرر کو شروع شروع بہ قصد و کوشش اپنی توجہ تقریر کے موضوع و الفاظ پر قائم رکھنا ہوتی ہے، اسکے لئے اسے پہلے سے محنت کرنا ہوتی ہے، تخلیہ مین مشق کرنا ہوتی ہے، اور تقریر کے وقت وہ تحریری اشارات (نوٹ) سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن یہی شخص جب مشاق خطیب ہوجاتا ہے تو کسی قسم کی تیاری کی ضرورت باقی نہین رہتی، اب وہ برجستہ ہر موضوع پر تقریر کرسکتا ہے، اُسے سوچنے اور خیالات کے ترتیب دینے کے لئے وقت کی حاجت نہین ہوتی، اور الفاظ و مضامین اسکے بغیر سعی و کوشش از خود اسکے دائرہ توجہ مین آتے جاتے ہین، گویا مہارت و مشاقی ایک پل ہے جس پر ہو کر توجہ ارادی، توجہ اضطراری سے ہم آغوش ہوجاتی ہے،

توجہ ارادی کے سلسلہ مین اسکے خصائل ذیل قابل لحاظ ہین۔

(۱) ارادہ نفس کو کسی شے پر آمادہ و توجہ کرسکتا ہے، لیکن جب تک وہ شے دلکش نہو توجہ کو قائم نہین رکھہ سکتا، ہر مشہور عالم و مصنف کے پاس اسکے مداح و معتقدین بکثرت آتے رہتے ہین جنمین بعض بہت ہی کم علم ہوتے ہین. کبھی کبھی وہ عالم انکے سامنے کسی دقیق علمی موضوع پر گفتگو شروع کردیتا ہے، یہ لوگ عقیدت و عظمت کے خیال سے چاہتے ہین کہ اسکی تقریر کے تمام مطالب ذہن نشین کرتے جائین، اور اپنے تئین اسپر برابر آمادہ کئے جاتے ہین، لیکن چونکہ وہ موضوع انکے ذوق و دلکشی کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے، اسلئے کچھ ہی دیر مین انکی طبیعت اُچاٹ ہوجاتی ہے، بہت سے طلبہ اپنا سبق تیار کرنے کے ارادہ سے بیٹھتے ہین، لیکن ذرا دیر مین انکا خیال بٹ جاتا ہے اور کتاب کے الفاظ اُنکی آنکھون کے سامنے رہتے ہین، لیکن اُن سے کوئی مفہومی کیفیت انکے دماغ مین نہین پیدا ہوتی، غرض توجہ ارادی کے قیام و ثبات کے لئے ذوق و دلکشی لازمی ہے، محض ارادہ کافی نہین۔

(۲) ارادہ بعض اوقات نوعیت ذوق کی تعین کرتا ہے۔ باغ مین ایک وقت ہم محض تفریح کی غرض سے جاتے ہین، دوسرے وقت باغبان کو بعض ہدایات دینے جاتے ہین، تیسرے وقت علم

نباتات سے متعلق بعض شاہدات و معلومات حاصل کرنے جاتے ہین، و قس علی ہذا۔ باغ ایک ہی ہے لیکن ہر وقت اس سے ہماری دلچسپی ایک جدید حیثیت رکھتی ہے، اور اسکی تعیین ارادہ کرتا ہے اسی طرح دنیا کی ہر شے اپنے اندر بیشمار دلچسپیان رکھتی ہے، اسکی تعیین کہ ہمین فلان وقت اور فلان موقع پر اسکے ساتھ کس خاص حیثیت سے دلچسپی ہوگی، اکثر ارادہ کے ہاتھ مین ہوتی ہے۔

(۳) ارادہ، توجہ اضطراری کی قوت پر غالب نہین آسکتا، بچہ بچہ ہی رہین گے خواہ ان مین ضبط و متانت پیدا کرنیکی کتنی ہی کوشش کیجائے، ایک پانچ برس کا بچہ اگر استاد کے پاس بیٹھا ہے، اور سامنے سے بارات نکل رہی ہے تو ممکن نہین کہ وہ ادہر نہ دیکھنے لگے، اور استاد اگر دانشمند ہے تو اس موقع پر سرزنش بھی نہ کریگا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس عمر کے بچون مین باجہ و تماشہ کی جانب التفات انکی توجہ اضطراری کا لازمی نتیجہ ہے، جسکے سامنے انکا ارادہ بے بس ہے، البتہ اگر نوجوانون مین اسقدر ضبط نہو تو وہ بے شبہہ قابل ملامت ہین، فیثاغورث و سقراط، نیوٹن و ہیگل سے زیادہ غور و فکر مین انہماک رکھنے والا دنیا مین شاید ہی کوئی شخص ہوا ہو، لیکن ان سے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ انکی کرسی کے پیچھے کوئی دفعتہً پٹاخہ چھوڑدیتا اور وہ بیساختہ اچھل نہ پڑتے، یہ اچھل پڑنا توجہ اضطراری کا ایک عمل ہوتا، جسکے سامنے انکے ارادہ کا مغلوب رہنا یقینی تھا۔

تمدن و شائستگی کو جون جون ترقی ہوتی جاتی ہے، توجہ اضطراری کے ساتھ ساتھ توجہ ارادی کا بھی ارتقا ہوتا رہتا ہے، وحشی افراد مین توجہ ارادی کا حصہ برائے نام، اور بیشتر حصہ توجہ اضطراری ہی کا ہوتا ہے، لیکن متمدن جماعت کے افراد مین کوئی بھی ایسا نہ نکلیگا جو توجہ ارادی کا کافی حصہ دار نہو توجہ ارادی مین پورا انہماک و یکسوئی آسان نہین، اسکے لئے ایک مدت کی تربیت اور مشق و ریاضت کی ضرورت ہے۔

توجہ ارادی و اضطراری کے خصائص امتیازی جدول ذیل کی مدد سے بیک نظر

ذہن نشین ہو سکتے ہین ۔

	توجہ اضطراری	توجہ ارادی
بہ لحاظ علت تحریبہ	جذبات	ارادہ
بہ لحاظ حالت شعور	انفعالی	فاعلی
بہ لحاظ ہیجّ	خارجی	داخلی
بہ لحاظ مدت	مختصر و آنی	طویل و ممتد
بہ لحاظ ماخذ	ذوق و دلکشی	سعی و کوشش

(باقی)

(نوٹ) اردو مین اسوقت تک کوئی ایسی کتاب موجود نہین، جو نفسیات (سائیکالوجی) کے طلبہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو، مضمون بالا جو آئندہ نمبر مین ختم ہوگا، جس طرز پر لکھا گیا ہے، اسی طرز پر صاحب مضمون کے زیر تحریر نفسیات کے جملہ مسائل ہین، توقع ہے کہ ان مضامین کا مجموعہ عام شائقین کی دلچسپی کے علاوہ، اس فن کے طلبہ کے لئے بھی نفسیات کی ایک جامع درسی کتاب (ٹکسٹ بک) کا کام دیسکے ۔

حکیم مہدی

(از پروفیسر ایس - بی - اسمتھ کیننگ کالج، لکھنو)

(۱)

مشہور و معروف شاہ مینا کی درگاہ کے قریب اور شہر کی قدیم ترین آبادی کے موقع پر بلند و مرتفع زمین پر لکھنو مین نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان بہادر کا مقبرہ ہے، اسکے پہلو مین جو امام بارہ ہے، اس مین انکے بھائی، ہادی علی خان مدفون ہین، وہ اب ایک کھنڈر رہ گیا ہی جسپر گھاس اُگ آئی ہو، خود مقبرہ بھی گو شفق کی روشنی مین خوش منظر معلوم ہوتا ہی لیکن اگر قریب سے دیکھا جائے تو بالکل اُجاڑ نظر آے گا، حکیم مہدی کی اس سے زیادہ پائدار یادگارین ملک کے مختلف اطراف و جوانب مین پائی جاتی ہین، سیتاپور سے خیرآباد تک سڑک پر دو رویہ درختون کی جو قطار ہی، یہ انہین کی لگائی ہوئی ہے، شاہجہانپور کا خوشنما پل انہین کا تعمیر کرایا ہے، فرخ آباد کے متصل کالی ندی کا پل بھی انہین کی یادگار ہے، فتحگڈھ مین انکا جو مکان سکونت تھا، وہ اب اسپتال کا کام دیتا ہے، اور گنگا کا ایک گھاٹ بھی انہین کے نام کے ساتھ منسوب ہے، اسی کے ساتھ انھون نے اپنے وطن آبائی اور اپنے مولد کو بھی فراموش نہین کیا تھا، تاریخ کا بیان ہے کہ ایران مین کسی مقام پر ایک پل انھون نے تیار کرایا تھا، اور کشمیر مین ایک امام بارہ، لکھنو مین انھون نے خیرات کا ایک پورا انتظام "رد مظالم" کے نام سے قائم کیا تھا، چنانچہ انکے خاندان مین اب تک ایک جائداد جسکا محض سود ۵ لاکھ ۲۵ ہزار سالانہ آتا ہے، اس مقصد کے لئے وقف چلی آتی ہے،

انکی ابتدائی زندگی تقریباً نامعلوم ہے، انکے والد مرزا خواجہ سخی، تبریز (ایران) کے باشندے تھے، کشمیر مین متوطن ہوگئے تھے، اور یہین حکیم مہدی کی ولادت ہوئی، اسی لئے لکھنو مین وہ کشمیری مشہور ہوئے، انکے بڑے بھائی کا نام مرزا ہادی علی خان تھا، جن کے فرزند منور الدولہ وزیر ہوئے، اور جنکی نسل مین نوابان شیش محل اب تک لکھنو مین موجود ہین، انکا شجرۂ نسب یہ ہے :-

مرزا خواجہ سخی

مرزا ہادی علی — حکیم مہدی (متوفی ۲۵ - دسمبر ۱۸۳۷ء)

مرزا احمد علیخان منور الدولہ،

نواب امجد علیخان اشرف الدولہ،

نواب باقر علیخان — نواب جعفر علیخان

حکیم مہدی کا سنہ ولادت نامعلوم ہے، ۱۸۳۱ء مین وہ اپنے متعلق تحریر کرتے ہین، کہ "مین بوڑہا ہوچکا اور مرنے کے قریب آلگا" اسی سال مسز فینی پارکس ان سے ملی تہین، وہ لکہتی ہین، کہ "وہ نہایت ضعیف و معمر شخص ہی" حکیم مہدی کا ذکر معتبر تحریرون مین سب سے پہلے سلیمن صاحب کے اس فقرہ مین ملتا ہے کہ "حکیم مہدی ضلع اعظم گڈہ مین بو علیخان کے ملازم تہے، اور اس زمانہ مین تہے، جبکہ ۱۸۰۱ء مین وہ ضلع سرکار انگریزی کے قبضہ مین آرہا تہا" اسکے الحاق کے بعد وہ ۱۸۰۲ء مین پھر لکھنؤ واپس آئے، اور محمدی کے ناظم مقرر ہوئے،

اسوقت اودہ کا بڑا حصہ سولہ چکلہ دارون مین تقسیم تہا، اور اجارہ یا ٹھیکہ کا طریقہ جاری تہا، اجارہ دار کے لئے ناظم، عامل، چکلہ دار، مستاجر وغیرہ کے مختلف القاب تہے، اسکے سپرد صرف "وصول تحصیل" ہی نہین ہوتی تہی، بلکہ عدالتی و انتظامی ہر طرح کے اختیارات اسکو حاصل رہتے تہے، اور فوج بہی اسکے ماتحت ہوتی تہی،

ضلع محمدی کا ٹھیکہ حکیم مہدی نے ۳ لاکھ ۱۱ ہزار روپیہ پر لیا، اپنا قیام لکھنؤ ہی مین رکہا، اور علاقہ پر اپنے بھائی ہادی علیخان کو بھیجا، انکی خوش انتظامی سے چند ہی سال مین علاقہ کی سالانہ آمدنی ۸ لاکہ تک پہنچ گئی، ۱۸۰۷ء مین اسکے متصل خیرآباد کا ٹھیکہ بہی حکیم مہدی نے ۵ لاکہ پر حاصل کیا، لارڈ ہیسٹنگز ۱۸۱۸ء مین بہ غرض شکار حکیم مہدی کے علاقون سے ہوکر گذرے، اور انھون نے ان علاقون کو نہایت مرفہ الحال پایا، رعایا خوش و خرم تہی، کاشتکاری خوب زورون پہ ہوتی تہی، کوئی زمین اُفتادہ نہ تہی، لارڈ موصوف نے دریافت کیا، کہ آخر عاید کیونکر صحرائی علاقہ کو مزروعہ کرنے پر آمادہ ہوگئی، اسکے جواب مین حکیم مہدی نے کہا کہ پہلے سال مین لگان بالکل

معاف کردیتا ہون، دوسرے سال ¼ لیتا ہون، اور دو تین سال تک یہی شرح رکہتا ہون، تاکہ کاشتکارون کو نظر آجائے کہ اس مین تمامتر انہین کا نفع ہے، اسکے بعد مین انکی آمدنی کا ½ لیتا ہون، اور وہ بہی نقد نہین بلکہ جنس کی صورت مین، اور اسکے علاوہ اور کسی طرح کا مطالبہ ان سے نہین کیا جاتا، قدیم مزروعہ علاقون مین شرح لگان ½ ہے" اسکے ۳ سال بعد جب علاقہ محمدی کے محاصل ۸ لاکہ سے گہٹ کر ۳ لاکہ تک آگئے، اور رعایا بجائے آسودہ و مرفہ الحال ہونے کے پریشان و مفلس رہنے لگی، مسٹر سلیمن کا بیان ہے کہ اسوقت بہی حکیم مہدی کا نام محبت و احترام کے ساتھ لیا جاتا تہا،

نواب سعادت علیخان تک جنھون نے خزانۂ عامرہ کو ۱۴ کرور کی دولت سے اور قید خانون کو عاملون سے بھر دیا تہا، حکیم مہدی کے معاملات مین دست اندازی نہین کرتے تہے، اسلئے کہ نواب ایک قابل حکمران تہے، اور بہ خلاف اپنے نالائق اخلاف کے، دوسرون کی دیانت و اہلیت کی قدر کرتے تہے، حکیم مہدی پر انکو خاص اعتماد تہا، "امور متعلقہ دیوانی و مالگذاری انہین کے ہاتھ مین چھوڑ دئے تہے، اور اپنی وفات کے وقت تک تمام معاملات سلطنت انہین کے صلاح و مشورہ سے انجام دیتے رہے" پادری ہیبر کا بیان ہے، کہ سعادت علیخان کی وفات کے وقت حکیم مہدی اُنکے وزیر تہے، لیکن کوئی معتبر شہادت انکے منصب وزارت پر باضابطہ فائز ہونے کی موجود نہین، برائے نام وزیر خود سعادت علیخان کے فرزند شمس الدولہ، تہے، اور اغلب یہ ہے کہ حکیم مہدی انکی نیابت کا کام کرتے تہے، بعینہ اسی طرح غازی الدین کے زمانہ مین برائے نام وزیر نصیر الدین کا سارا کام انکے نائب آغا میر انجام دیتے لگے۔

سعادت علیخان کا ۱۱ - جولائی ۱۸۱۴ء کو انتقال ہوا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حکیم مہدی وزارت کا کام عملاً برابر کرتے رہے، گو غازی الدین نے وزیر کا باضابطہ تقرر موسم سرما مین گورنر جنرل کی آمد لکھنؤ تک ملتوی رکہا، اودہ کی بدنصیبی سے، حکیم مہدی اور رزیڈنٹ انگریزی میجر بیلی سے موافقت نہ رہ سکی، اور غالباً انہین کے حسب مشورہ غازی الدین نے میجر بیلی کو ہٹانا چاہا، گورنر جنرل ہسٹنگز جب سرما مین لکھنؤ وارد ہوئے تو غازی الدین نے،

رزیڈنٹ کی شکایات بیان کرنے لئے ان سے تخلیہ کی ملاقات چاہی، اور اسکے دوران مین یہ کہا کہ "مین یہ شکایا
دائرہ تحریر مین لاکر پیش کردن گا" اور انکی مزید تصریح و تشریح مہدی علیخان کر سکتے ہین"۔

غازی الدین کی شکایات یہ تھین کہ میجر بیلی ان پر جزئیات زندگی مین اپنی حکومت قاہرہ قایم کرنا چا
ہین، جب جی چاہتا ہے تو اپنے احکام صادر کرتے بلا اجازت و اطلاع محل شاہی مین گھس آتے ہین ا
اوروں کو نواب کے خزانہ سے بڑے بڑے مشاہرہ دلاکر خود انہین پر بطور جاسوس مقرر کرتے ہین ا
اپنے مستمر و مستقل حاکمانہ انداز و تحکمانہ شان سے نواب کی توہین خود انکے اعزہ و رعایا کی نظرون مین کرتے ہین
منجملہ اور شکایات کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ نواب کے ہان صبح سویرے جو نوبت بجتی تھی اُسے رزیڈن
نے اس بنا پر بند کرا دیا تھا کہ اس سے اسکی نیند مین خلل پڑتا ہے، "لارڈ ہیسٹنگز میجر بیلی سے خوش نہ تھے
انکے ہٹا دینے کا انھون نے پورا ارادہ کر لیا، بلکہ انھون نے نواب کو اطمینان بھی دلایا کہ "اپنے فرض منصبی
نیز ذاتی خواہش دونون حیثیتون سے مین آپ کو حاکم مقتدر دیکھنا چاہتا ہون، اور آپکی ذاتی عزت کو محفو
لیکن غازی الدین مین اتنا استقلال نہ تھا کہ اپنے ارادہ پر عمل کر سکے، آغا میر (جو بہ قول لارڈ ہیسٹنگز میجر بیلی
کے بیحد طرفدار تھے) نے غازی الدین کو ڈرا دھمکا کر اس پر مجبور کر دیا کہ رزیڈنٹ کے خلاف انھون نے
جو شکایات کی تھین، انہین واپس لے لین، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میجر بیلی اپنی جگہ پر قائم رہ گئے، اور جب لارڈ ہیسٹ
سے ایک نائب وزیر کے انتخاب کی خواہش کی گئی تو انھون نے یہ جواب دیا کہ "یہ امر بہت ہی ناموزون ہو
اگر غازی الدین ایسے شخص کی نامزدگی کرین، جسکو رزیڈنٹ سرکار انگریزی کا سخت مخالف قرار دے
ہے، یعنی مہدی علیخان"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تقرر آغا میر کا ہوا، اور اس طرح اودھ ایک قابل و دیانت دار حاکم کے برکات سے
مستفید ہوتے ہوتے رہ گیا!

حکیم مہدی کا قیام اب بھی لکھنؤ مین رہا، اور غازی الدین کے الطاف ان پر قائم رہے لیکن ا

آغا میر کا حسد انکے ساتھ بڑھتا گیا، خصوصاً اسلئے کہ ابتدا مین آغا میر کو اپنی وزارت مستحکم نہین نظر آتی تھی،
اس بنا پر جب حکیم مہدی نے علاقہ بہرائچ کو اسکے عامل کی مالگذاری سے ایک لاکھ زاید پر اپنے اجارہ مین لینا
چاہا تو آغا میر کو حکیم مہدی کے لکھنؤ سے رخصت ہونے کا یہ موقع بہت غنیمت معلوم ہوا، اسنے فوراً اس درخواست
کو منظور کر لیا، اور حکیم مہدی اپنے علاقہ پر روانہ ہو گئے،

حکیم مہدی اور عامل بہرائچ سے جو معاملہ پیش آیا، اور جسے سلیمن نے قلمبند کیا ہے، وہ حکیم مہدی کے پاک د
صاف دامن پر ایک داغ ہے، امر سنگھ نے جو اپنے والد کی جگہ پر عامل ہوا تھا، اپنی خوش انتظامی سے دولت کثیر
جمع کی تھی، اس پر حکیم مہدی کے مُنہ مین پانی بھر آیا، جب وہ علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ مین لینے کے لئے آنے لگے، تو
امر سنگہ نے کہلا بھیجا کہ "جب تک میری حفاظت کا قرآن سے حلف نہ اُٹھاؤ گے، مجھے بد عہدی کی طرف سے اطمینان
نہین ہو سکتا، اور مین ملاقات نہین کر سکتا"۔ کئی مہینہ تک معاملت بہ آشتی ہوتی رہی، تا آنکہ ایک شب کو حکیم مہدی
حسابات کی جانچ کرتے کرتے کوئی حیلہ کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور خیمہ مین امر سنگہ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، معاً حکیم
کے دو خادمون نے عامل قدیم پر حملہ کیا، اور گلہ گھونٹ کر ختم کر دیا، حکیم مہدی نے یہ روایت بیان کی کہ امر سنگہ نے
زہر سے خودکشی کی، اور اسکی نعش اسکے اہل خاندان کے سپرد کر دی، لیکن وہان امر سنگہ کے دانتون کے اندر
قاتلون مین ایک کی اُنگلی کٹی ہوئی ملی، جو امر سنگہ نے کاٹ لی تھی، حکیم مہدی نے ۱۵ اور ۲۰ لاکھ کے درمیان دولت
پر قبضہ کیا، اور انکشاف راز کے سدباب کے لئے بہ کمال دانائی اسکا ایک معقول حصہ رشوتون مین صرف کیا،

سلیمن کی یہ روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے، اور مسٹر اِرون نے ایک احتمال یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ آغا میر
نے اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لئے مشہور کی ہوگی، خود اِیرون اس احتمال کو قابل تسلیم نہین خیال کرتا،
لیکن ہمارے نزدیک روایت بالا کے مقابلہ مین یہ احتمال یقیناً قوی ہے، اسلئے کہ اول تو اتنے بڑے
جرم کا کوئی مُحرک نہین بتایا جاتا، دوسرے یہ کہ ایسی حرکت حکیم مہدی کے عام طرز عمل کے بالکل مخالف
ہے، اسوقت انکے پاس بہت کافی دولت موجود تھی، اور حرص و طمع انکے مزاج مین کبھی بھی نہ تھی، اسکے علاوہ

اگر حکیم مہدی سے اس جرم کا ارتکاب ہوا ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ آغا میر اپنے حریف کو زک دینے کا اتنا اچھا
موقع ہاتھ سے جانے دیتا؟ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ خود لارڈ ہسٹینگز جو حکیم مہدی کے علاقون مین ۱۸۱۵
سے لیکر ۲۲-اپریل ۱۸۱۸ء تک برابر رہے، اور اس ساری مدت مین حکیم مہدی انکے ہم رکاب رہے، اس
فواد کا ذکر تک نہین کرتے حالانکہ یہ واقعہ آخر ۱۸۱۶ء یا آغاز ۱۸۱۷ء مین ہو چکا تھا،

حکیم مہدی کے حال پر ہسٹینگز کی عنایات دیکھکر آغا میر کو اور زیادہ حسد پیدا ہوا، چنانچہ ۱۸۱۹ء مین اس
حکیم مہدی کے اجارہ پر پانچ لاکھ کا اور اضافہ کر دیا، یہ دیکھکر حکیم مہدی جو رفتہ رفتہ ایک عرصہ سے اپنا خزا
شاہجہان پور جو انگریزی علاقہ مین تھا، منتقل کر رہے تھے، مع اپنے خاندان کے سرحد پر آ گئے، اسکے بعد پادر
ہیبر کی روایت ہے کہ "آغا میر نے اسکو قید خانہ بھجوا دیا جس سے اسکو سرکار انگریزی کی سفارش و توسط پر
رہائی نصیب ہوئی"،

حکیم مہدی ۱۱ برس جلاوطنی مین رہے، ابتداءً شاہجہان پور مین، لیکن وہان کے اہل سنت سے
موافقت نہ رہ سکی، اسلئے فتحگڈھ چلے گئے، اور وہان بہ کمال شان و شوکت رہنے لگے، یہان ۱۸۲۴ء مین انھو
پادری ہیبر کو مدعو کیا، اور لکھا کہ "میرے ہان ایک انگریز خاتون بھی ہے جسے اپنے ہمقومون کی خاطر و مہمانداری
کا خوب سلیقہ ہے" یہ انگریز خاتون حکیم مہدی کے دیوان کی زوجہ تھی، جو ایک زمانہ مین ہرٹفرڈ مین اردو زبان
پروفیسر رہ چکے تھے، یہین ۱۸۲۷ء مین انھون نے لارڈ کومبرمیر کی بھی ضیافت کی، اور اسی موقع پر کپتان منڈ
انکے متعلق لکھتے ہین کہ وہ ایک وجیہ ورلسانہ شان کے معمر شخص تھے۔

(باقی)

(یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل)

وحدتِ وجود

(ہندو فلسفہ مین)

از ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا، ایم اے، ال ال ڈی

ہندوستان ابتدا سے وحدت و جامعیت کا گہوارہ رہا ہے، اختلافات کو رفع کرکے اتحاد پیدا
کرنا، بچھڑے ہوؤن کو ملانا، تنوع مین یکرنگی پیدا کرنا، یہ ازل سے اسکا شعار رہا ہے، خود رگ وید مین
جس سے قدیم تر کتاب پردۂ ارض پر موجود نہین، یہ ارشاد موجود ہے کہ "مختلف اہل علم ایک ہی حقیقت
کی مختلف تعبیرین کرتے ہین"، اسکے بعد اپنشدون مین اسی اصول کی بار بار تصریح آئی اور مختلف
استعارہ و مجاز کے پردہ مین کثرت سے اسکی تکرار کیگئی، حکماے ہند مدتون اس حقیقت پر ایمان
رکھتے تھے، اور باوجودیکہ آگے چل کر ہر شعبۂ زندگی مین نہایت کثرت سے اختلافات پیدا ہونے گے،
لیکن اس اصول سے کسی نے بھی انکار نہ کیا، یہانتک کہ شنکراچاریہ کا زمانہ آیا اور اس سرزمین
کی حیات عقلی مین دور انحطاط شروع ہوا، اس نے اس اصول کے حدود سے قدم بڑہا کر یہ دعوی
کیا کہ یہ تمام مظاہر و حوادث کائنات جو ہمارے علم مین آتے ہین، یہی نہین کہ ایک حقیقت کے
مختلف پرتو ہین، بلکہ سرے سے غیر حقیقی و باطل ہین، اسکا مسلک یہ تھا کہ تمام محسوسات و مدرکات
قطعاً کوئی حقیقی و خارجی وجود نہین رکھتے بلکہ تمامتر ہمارے واہمہ و متخیلہ کی پیداوار ہین، اس مشکّکانہ
تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤن مین مشککین و متیقنین وغیرہ کی پرجوش معرکہ آرائیان شروع ہو گئین،

مضمون ہذا مین اس تشکیک سے بحث نہین بلکہ یہان صرف وحدت وجود کے اس قدیم
عقیدہ پر ایک نظر کرنا مقصود ہے، جسکا عملی نتیجہ یہ تھا کہ سارے ملک مین ایک عقلی و سیاسی اتحاد
قائم تھا، اور اہل ہند کی طرز معاشرت مین کسی طرح کی عسکریت و جدال آرائی نہ تھی بلکہ اسکے بجاے

ایک عام اخوت انسانی کا عقیدہ جاری وساری تھا،

موجودات مین یہ وحدت کس قسم کی ہے ؟ عام ویدانتی تو اس مسئلہ پر کبھی غور ہی نہین کرتے بلکہ محض نفس وحدت کو اعتقاداً مانتے چلے جاتے ہین، البتہ یورپ کے ویدانتی اور تھیاسوفسٹ گروہون نے اسپر غور کیا، لیکن اُنکے جوابات پوری طرح تسلی بخش نہین، ان مین سے بعض کہتے ہین کہ یہ وحدت اس دار فانی سے متعلق نہین، بلکہ عالم عقبیٰ سے متعلق ہے، اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ اس وحدت سے روحانی وحدت مراد ہے، نہ کہ مادّی، میرے نزدیک یہ دونون تشریحات ناکافی ہین، بلکہ جس وحدت کی تعلیم دیگئی ہے وہ محض روحانی نہین بلکہ کائنات مادّی پر بھی پوری طرح حاوی ہے،

اہل فلسفہ کو ہم بلحاظ عقاید دو بڑے گروہون مین رکھ سکتے ہین، ایک گروہ وہ ہے جو خدا پرست ہے، وجود باری کا قائل ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات اسکی مخلوق ہے، دوسرے طبقہ مین منکرین ومشککین شامل ہین، یعنی وہ لوگ جو اس خیال کے منکر یا کم از کم اس باب مین متشکک یا ساکت ہین، جو گروہ خدا کا قائل ہے وہ تو وحدت وجود سے انکار کر ہی نہین سکتا، اسلئے کہ اسقدر تو اُسے بہر حال مسلم ہوگا کہ تمام مخلوقات کی آخری بنیاد ذات خالق ہے، اور اسلئے مخلوقیت تمام اجزاء کائنات مین مشترک ہے، تمام موجودات عارضی وبے ثبات ہین، وجود حقیقی صرف ذات باری کا ہے، جو قائم بالذات ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اس سے بحث نہین کہ اس ذات حقیقی کی ماہیت اور اسکے صفات کیا ہین، اسمین جو کچھ بھی اختلافات ہون اتنا بہر صورت ہر خدا پرست فلسفی کو تسلیم کرنا ہوگا کہ کائنات کی علت العلل وہی ذات ہے اور عقیدۂ وحدت وجود کے لئے اسقدر کافی ہے،

لیکن منکرین ومشککین کی تشفی اس آسانی سے نہین ہو سکتی، انکی تسکین کے لئے ذرا عمیق نظر سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ موجودات عالم مین بااین ہمہ تنوع واختلاف رشتۂ اتحاد کیا ہے ؟

اتنی بات پر ہر زمانہ کے فلاسفہ کو اتفاق رہا ہے کہ کوئی شے ایسی ضرور ہے جو کائنات کے اجزاء مین بطور قدر مشترک کے ہے، اور ان سب کو ایک رشتہ مین منسلک کئے ہوئے ہے، اہل جرمنی نے اسکا نام (Being) وجود رکھا کہ تمام موجودات اپنی صفت وجود مین متحد ہین، سنسکرت مین اسکو "ست" سے موسوم کرتے ہین، یعنی ہستی گویا بلحاظ ہستی کل کائنات ایک ہی جو کچھ موجود ہے اس لحاظ سے کہ "ہست" ہے، ایک ہے، یہی "ہستی" تمام موجودات کے درمیان رشتۂ اتحاد ہے، جو شے موجود ہے حقیقت رکھتی ہے، اور جو موجود نہین ہے کوئی حقیقت نہین رکھتی گویا حقیقت اشیاء کا انحصار ہستی اشیاء پر ہے، اور یہ ہستی ہی ایسی شے ہے جو تمام موجودات مین وحدت پیدا کئے ہوئے ہے،

لیکن فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ذہن اپنے سامنے وحدت وجود کا جو تخیل قائم کرتا ہے، اسکی تسکین محض مجردات سے نہین ہو سکتی، اسکے اطمینان کے لئے "ہستی" و "وجود" وغیرہ کلیات مجردہ بالکل ناکافی ہین، اسکے لئے ضروری ہے کہ کسی شخصیت، کسی ذات فعّال کا وجود پیش نظر ہو، اس بنا پر حکماے ہند نے مجرد ہستی یا وجود پر اکتفا نہین کیا بلکہ اسکے ساتھ ایک صفت "شعور" کی بھی اضافہ کردی، یعنی تمام موجودات مین محض ہستی ہی مشترک نہین، بلکہ شعور بھی مشترک ہے انسان وحیوان، جمادات ونباتات، شجر وحجر یہ سب ہستی ہی کے مظاہر نہین، بلکہ ان سب مین شعور کی جلوہ آرائیان بھی ہین،

یہ عقیدہ اگرچہ حکماء ہند کی تعلیم مین شروع ہی سے موجود ہے، تاہم حکماے یورپ بھی اس سے بالکل بیگانہ نہین، انکے ہان تصوریت (Idealism) کے جو مختلف مذاہب پیدا ہوتے رہے ہین، ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقت اشیاء تمام تر مشتمل ہے تصور پر، لیکن یہ کہنا صاف اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ شعور سے خارج حقیقت کے کوئی معنی نہین، اور شعور چونکہ ایک مجرد شے ہی

اسمین تعدد کو دخل نہین، اسلئے اسکی وحدت بھی ظاہر ہے، پھر چونکہ تعلق باہمی کی بنیاد بھی شعور پر
اسلئے شعور کو موجودات مین مشترک ماننے کے معنی یہ ہین، کہ تمام موجودات مین یکجہتی، یکرنگی و یکسان
پیدا ہو جاتی ہے، من و تو کے امتیازات اُٹھ جاتے ہین، اور کائنات کا ذرہ ذرہ وحدت کے رنگ
مین ڈوبا ہوا نظر آنے لگتا ہے، جسکا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال مین بنہایت
محتاط ہو جاتا ہے، کیونکہ اب وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسکا اثر اسکی ذات، اسکی شخصیت
محدود نہین بلکہ تمام کائنات اس سے متاثر ہو رہی ہے،

آجکل ٹیلی پاتھی (Telepathy) کا جو طریقہ نکلا ہے، وہ اس حقیقت کی توثیق کرتا
کہ شعور کی جو کیفیت ہم مین موجود ہے، وہی سارے جہان پر محیط ہے، ٹیلی پاتھی کو عرصہ تک شک
و بدگمانی کی نظرون سے دیکھا گیا، لیکن اب اسکی واقعیت مستند حلقون مین بھی مسلم ہو گئی ہے، اس
اشراقیت کی جسکی بنا پر ہم مین "غیب دانی" آجاتی ہے، یعنی یہان ہم بیٹھے ہوے دُور دراز کی خبر
بتا دیتے ہین، مختلف توجیہات کی جاتی ہین، لیکن عقیدہ وحدت وجود کی روشنی مین یہ مسئلہ بالکل
صاف و واضح نظر آتا ہے، جب یہ مسلم ہے کہ جو شعور ہم مین ہے، اسی کی جلوہ آرائیان کائنات
ذرہ ذرہ مین ہین تو اسمین کیا استبعاد ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارا شعور زمان و مکان کی پابندی
آزاد ہو کر اور جسم و مادہ کی قیود کو توڑ کر اپنی ہستی کو شعور کل مین منضم کر دے، قطرہ اپنے کو دریا مین ملا
اور اس طرح جزو کل پر مطلع و خبردار ہو جائے؟

یہانتک مسئلہ پر صرف نظری و فلسفی حیثیت سے گفتگو تھی، لیکن کیا سائنس کے مادی
اسکے کچھ بھی منافی ہین؟

کیمیائیات کے تازہ ترین انکشافات کا ماحصل یہ ہے کہ نظریہ سالمی (Atomic Theory)
کا جسکے سہارے مادیت کی عمارت قائم تھی، بطلان ہو چکا ہے، اس نظریہ کا منشا یہ تھا کہ مادہ کائنا

چند مختلف عناصر مین منقسم ہے، اور ہر عنصر انتہائی تحلیل کے بعد ایک خاص سالمہ پر جاکر ٹھہرتا ہے،
جسکی مزید تحلیل نہین ہو سکتی، گویا جسقدر عناصر تھے، اسی تعداد مین ناقابل تحلیل و تجزی سالمات
بھی تھے، لیکن اب کیمیا کی تحقیقات یہ ہے کہ یہ عناصر و سالمات کوئی مستقل وجود نہین رکھتے، بلکہ
یہ سب مرکب ہین ذرات کہربائی (الیکٹرن) سے۔ مگر خود کہربا کیا شے ہے؟ کیمیا کا جواب ہی کہ
وہ ایک قسم کی قوت ہے، ابھی کیمیاوی تحقیقات یہین تک پہنچی ہے، لیکن کیا عجب ہے کہ چندہی
روز مین اس ایک قسم کی قوت کے ڈانڈے "شعور" سے آکر ملجائین؟ کیمیا کا محقق اسقدر اب بھی
تسلیم کرنے لگا ہے کہ کائنات مادی تمامتر ایک خاص طرح کی قوت کا کرشمہ گاہ ہے، اُسکے بعد اسے
صرف اسقدر اور کہنا باقی رہجاتا ہے کہ یہ خاص طرح کی قوت وہی ہے جسے الٰہیات کی اصطلاح
مین شعور کہتے ہین،

طبیعیات کے علماء روز بروز اس طرف کھنچے آتے ہین، طبعیات کا ایک نہایت ممتاز
محقق جو لندن کے مشہور مرکز سائنس رائل انسٹیٹیوشن کا رکن ہے، لکھتا ہے کہ

"حیوانات، نباتات و معدنیات سب کی حرکتون مین ایک نقطہ ایسا آتا ہے جہان سب کی حرکتین
بالکل متحد ہو جاتی ہین" (ص ۱۸۴)

پھر کہتا ہے:۔

"جسم انسانی کے ایک ایسے نازک عضو کی جیسے کہ شبکہ ہے، بعض حرکتین جسم غیر عضوی کی
بعض حرکتون کے بالکل مماثل ہین۔" (ص ۱۸۹)

چند سطرین آگے بڑھکر کہتا ہے:۔

"جسم ذی حیات کی حرکتین باین ہمہ تنوع درصل انہین حرکتون کا اعادہ ہین، جو جسم
غیر عضوی مین پائی جاتی ہین۔" (ص ،،)

ایک جگہ اور:-

"تحقیقات بالا ممکن ہے کہ ہمکو اس نتیجہ تک پہنچادین کہ یہ تمام صورت حال ان غیر متغیر قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے جو کائنات عضوی وغیر عضوی دون پر یکسان ومساوی عامل رہتے ہین۔"

گو وہ دن قریب آتا جاتا ہے جب مغرب کا طبیعی بھی قدیم ہندو فلسفی کی طرح اپنے آپ کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور پائیگا کہ کائنات مین جو کچھ بھی ہے، سب شعور ہی کے مختلف مظاہر وشئون سب اُسی کی جلوہ آرائیان ونیرنگیان ہین،

آخر مین صرف ایک سوال باقی رہجاتا ہے کہ جب یہ موجودات عالم، ایک ہی نور کا پرتو ہے تو اسقدر تنوع وچگونگی، تخالف وتضاد کیون ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بغیر اسکے شعور مطلق کا ظہور وشہود ممکن ہی نہین، شعور مطلق بجائے خود ہمہ وحدت ہے، لیکن جب اُسے اپنے تئین عرصۂ ظہور مین لانا منظور ہوا، تو یہ شہود بغیر اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ کثرت پیدا ہوا، اور جب کثرت ہوئی تو امتیاز لازم آیا کہ تخالف وتنوع بھی ہو، اس بنا پر یہ ناگزیر تھا کہ شعور مطلق اپنے مختلف مظاہر وشئون مین اپنے تئین مختلف لباسون مین نمودار کرے، جمادات کے قالب مین وہ اپنے خصوصیات جمادی کی رکھتی ہے، نباتات کے عالم مین وہ صفات نباتی سے متصف ہوتی ہے، حیوانات کے درجہ پر پہنچکر وہ لباس حیوانی مین جلوہ آرا ہوتی ہے، اگر وہ یہ مختلف اوضاع نہ تبدیل کرے تو کائنات کا وجود، یعنی اس روح مطلق کا شہود ممکن کیونکر ہو؟ تحدید وتعین پیدا ہونے کے معنی یہ ہین کہ تنوع وتعدد بھی پیدا ہو،

رہا یہ امر کہ اس نے کیون تحدید وتعین پسند کیا، اور ابتداءً اس پر کیونکر عمل کیا؟ یہ وہ اسرار لاہوتی ہین جنکے چہرہ سے دنیا کا کوئی فلسفہ نقاب نہین اُٹھا سکتا، ہندو فلسفہ اسکے متعلق یہ کہتا ہے کہ اسکے اس عمل ظہور وشہود کی ابتدا زمان مین ہوئی ہی نہین، بلکہ یہ اس ہستی مطلق کی

فطرت مین داخل ہے، وہ ازل سے برابر اسی طریق پر ہے، یعنی ایسا کبھی کوئی زمانہ نہ تھا جب وہ اس صفت سے معرّی ہو، اور اسکے بعد اسے اختیار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ سے اسی وضع پر ہے جب تمام مظاہر وشئون کا ایک دور ختم ہوجاتا ہے تو پھر از سرِ نو وہی پچھلی باتین شروع ہوجاتی ہین اور اس طرح یہ سلسلۂ دور وتسلسل اپنے آغاز وانجام دونون سے بیگانہ ہے، جس طرح کوئی یہ نہین بتا سکتا کہ کب اور کیونکر اول بار درخت سے تخم، یا تخم سے درخت پیدا ہوا، اسی طرح یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ ہستیِ مطلق نے کب اور کیونکر اپنے تئین محدود ومشخص بنانا اور تعینات کے چکر مین پڑنا پسند کیا،

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہم پھر اسی عقیدہ پر پہنچ جاتے ہین کہ دنیا ہمہ وحدت ہے تعدد وکثرت کا نام تک نہین، یہی نہین کہ تمام انسان آپس مین بھائی بھائی اور ایک ہین، بلکہ انسان وحیوان، چرند وپرند، جمادات، ونباتات، شجر وحجر سب ایک ہین

(ہندوستان ریویو)

———⊰⁘⊱———

موجودہ مشرقی کتبخانے

(۱)

از

مولانا عبدالسلام ندوی

اسلام کے عہد زرین مین اگرچہ عراق، اندلس، مصر اور شام مین بکثرت کتبخانے قائم کیے گئے جو کئی کئی لاکھ مجلدات پر مشتمل تھے، لیکن ان مین سب سے بڑا کتبخانہ بغداد مین خلفاے عباسیہ نے اندلس مین خلفاے امویہ نے، مصر مین فاطمیین نے قائم کیا تھا، آج ہمارے ہاتھون مین عربی زبان کی جو قابل قدر کتابین ہین وہ انہین خزان دیدہ پھولون کی پنکھڑیان ہین۔

سب سے پہلے خلفار نے ان جواہرات علمیہ سے اپنے ایوان سجائے، پھر وزرار، ارباب مناصب اور اہل علم نے انکی تقلید کی، اسکے بعد جب سلاطین فارس، ترک، عرب، اور بربر کا دور حکومت آیا تو انھون نے بھی اس شاہانہ خصوصیت کو قائم رکھا، علمار اور امرار نے جو پرائیوٹ کتبخانے قائم کیے وہ اس سلسلہ سے الگ تھے، رفتہ رفتہ یہ تمدن کی ایک ایسی خصوصیت ہوگئی کہ امرا مین جو لوگ صاحب علم نہ تھے انھون نے بھی بطور لازمۂ امارت کے کتبخانے قائم لیے، نہایت خوشخط نسخے فراہم کیے، خوشنما جلدین بنوائین، اور اوراق کتب کو مسابقت و مفاخرت کا سب سے بڑا میدان قرار دیا۔

ان کتبخانون مین بعض پرائیوٹ اور اکثر پبلک تھے، پبلک کتبخانون کو زیادہ تر خلفاء و سلاطین نے قائم کیا تھا، بغداد کے بیت الحکمۃ، قاہرہ کے دارالحکمۃ، اور اندلس اور مغرب کے کتبخانون نے انہی خلفار کی بدولت دنیا کو علم و فن سے مالامال کر دیا تھا،

[۱] ماخوذ از آداب اللغۃ العربیہ لجرجی زیدان،

لیکن باد بہار کے ساتھ باد خزان کے جھونکے بھی چلتے رہتے تھے، فرق اسلامیہ مین جو مذہبی نزاعین قائم ہوگئی تھین، اہل فلسفہ پر کفر و زندقہ کا جو الزام قائم کیا گیا تھا، اسکا خمیازہ اُنکے ساتھ انکے علمی ذخیرون کو بھی اٹھانا پڑا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے کتبخانے نذر آتش ہوگئے، غیر قومون کے فاتحانہ اقتدار و تسلط نے بھی بہت کچھ ان علمی خزانون کو صدمہ پہنچایا، پرستاران صلیب نے تمام اسپین اور اندلس مین مسلمانون کے جو علمی ذخیرے برباد کیے، دنیا کی علمی تاریخ ہمیشہ اُن پر اشکبار رہیگی،

قدرتی اسباب مثلاً آتش زنی اور بوسیدگی وغیرہ کے ذریعہ سے جو کتابین ضایع ہوئین وہ اس سے الگ ہین،

کتابون کی بربادی کے یہ اسباب خلفاے عباسیہ کے ابتداے دور حکومت ہی سے پیدا ہوگئے تھے، لیکن خلفار سلاطین اور اہل علم جو جدید کتبخانے قائم کرتے رہتے تھے وہ تلافی مافات کر دیتے تھے، لیکن جب سلطنت مین ضعف آگیا اور قوم کی زندہ قوتین مردہ ہوگئین تو بدل ماتحلل مین قدرتی طور پر کمی آگئی، اور جو کتبخانے لاکھون کتابون پر مشتمل تھے، اُن مین صرف چند ہزار کتابین رہ گئین آج قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق اور حلب مین جو کتابین موجود ہین وہ انہی کتبخانون کی بچی کھچی یادگارین ہین قرون وسطی مین مسلمانون کے چمن زار علم پر یہ خزان آئی اور آج اگرچہ ہم اس عہد ظلمت سے نکل چکے ہین تاہم ہمارا استقبل کچھ بہت زیادہ روشن نہین ہے، اسلئے اگر مستشرقین یورپ نے عربی زبان کی دستگیری نہ کی ہوتی تو ہم اس بچے کھچے سرمایہ کو بھی کھو بیٹھتے، لیکن دول یورپ نے مختلف زبانون کے جو عظیم الشان کتبخانے قائم کیے، ان مین مشرقی زبانون کو بھی خاص طور پر اہمیت دی اور انکی تہذیب و پرداخت کا کام مستشرقین کے سپرد کیا، ان لوگون نے نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی کتابون کی فہرستین تیار کین، انکی نشر و اشاعت مین سعی بلیغ کی، کتابون کے ترجمے کیے اور انکے نہایت عمدہ نسخے شایع کیے، یہان بحث کتبخانون سے ہے، اور یورپ مین جو عظیم الشان کتب خانے

مشرقی زبانون کی کتابون پر مشتمل ہین، انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) برلن کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۱۴۵۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۳۰۰۰۰ قلمی ہین، اوران قلمی کتابون مین بہت سی کتابین عربی زبان کی ہین،

(۲) بن یونیورسٹی کا کتبخانہ، اسمین ۳۶۱۲۲۳ مطبوعہ اور ۱۵۱۹ قلمی کتابین ہین،

(۳) کیمبرج یونیورسٹی کا کتبخانہ، یہ کتبخانہ متعدد کتبخانون کا مجموعہ ہے، ایک کتب خانہ قدیس یوحنا کی طرف منسوب ہے، جسمین ۴۰۰۰۰۰ کتابین مطبوع اور ۱۰۵۰ قلمی ہین، ایک کتبخانہ تالوث کا ہے جسمین ۸۰۰۰۰ کتابین ہین اوران مین ۲۰۰۰ قلمی ہین،

(۴) کتب خانہ اسکوریال، یہ کتبخانہ اسپین مین ہے، اور اسمین ۳۵۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۴۶۲۴ قلمی کتابین ہین، عربی زبان کے ۱۸۸۶، یونانی کے ۵۸۲ اور لیٹن کے ۲۰۸۶ نسخے ہین،

(۵) گوتہا کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ سنہ ۱۶۴۷ مین قائم ہوا، اسمین ۱۹۶۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۳۵۰۰ قلمی کتابین مشرقی علوم کی ہین،

(۶) گوٹنجن کا کتب خانہ اسمین ۵۸۲۲۰۰ کتابین ہین، قلمی نسخے ۷۳۷۱ ہین، جنمین زیادہ تر عربی کی نوادر کتب ہین،

(۷) لیڈن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۲۰۰۰۰۰ کتابین ہین، جنمین ۳۶۰۰ کتابین مشرقی زبانون کی ہین، اوران مین زیادہ تر عربی کتابین ہین،

(۸) لندن کا کتب خانہ، یعنی برٹش میوزیم، اسمین ۸۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین بہت سی عربی کی قلمی کتابین ہین،

(۹) منشن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۶۵۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۲۵۰۰ قلمی ہین، اوران مین بہت سی عربی کتابین ہین۔

(۱۰) آکسفورڈ یونیورسٹی کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ سنہ ۱۵۹۸ مین قائم ہوا، اسمین ۷۰۰۰۰۰ مطبوعہ کتابین اور ۲۳۰۰۰ قلمی ہین اور اکثر عربی ہین،

(۱۱) پیرس کا کتب خانہ اسمین مختلف زبانون کی ۳۵۰۰۰۰۰ مطبوعہ اور ۱۰۰۰۰۰ قلمی کتابین ہین جنمین ۱۳۱۳ کتابین عبرانی کی اور اُسکی دوگنا عربی کی ہین،

(۱۲) پٹرسبرگ کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۱۹۶۲۰۰۰ کتابین، اور ۱۲۲۰۰۰ قلمی نسخے ہین، جنمین اکثر مشرقی بالخصوص عربی زبان کی ہین،

(۱۳) ویٹیکن کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ روما مین قائم ہے، اور اسمین ۴۰۰۰۰۰ مطبوع اور ۲۵۰۰۰ قلمی کتابین ہین، اسمین مشرقی زبانون کی کتابون کا بہت بڑا حصہ ہے جو مشرق سے لایا گیا ہے۔

(۱۴) قومی کتبخانہ، یہ کتبخانہ بھی روما مین قائم ہے، اسمین ۴۵۰۰۰۰ مطبوعہ اور ۶۲۰۰ قلمی کتابین ہین، روما مین اور بھی بہت سے کتبخانے ہین جو چندان قابل ذکر نہین۔

(۱۵) وائنا کا شاہی کتبخانہ اسمین ۱۰۰۰۰۰۰ مطبوع اور ۲۷۰۰۰ قلمی کتابین ہین، اوران مین عربی کی نہایت عمدہ کتابین ہین، نقشے وغیرہ ان سے الگ ہین، انکے علاوہ یورپ کے دوسرے شہرون مین اور بھی متعدد کتبخانے ہین جنمین بہت سے مشرقی جواہرات مل سکتے ہین۔

لیکن جس زمانہ مین یورپ ان جواہرات سے اپنی علمی دوکانین سجا رہا تہا، مشرق خواب غفلت مین سرشار تہا، بالآخر انیسوین صدی کے وسط مین اس نے آنکہین کہولین، اور حکومتون اور انجمنون نے کتبخانون کی طرف توجہ کی، اور قوم کے مختلف افراد نے اسمین حصہ لیا، اس طرح قسطنطنیہ، مصر، شام، عراق، حجاز، اور مغرب مین عربی اور یورپین زبانون کی قدیم وجدید کتابون کا جو سرمایہ کتب خانون کی صورت مین جمع ہوا انکی تفصیل یہ ہے،

قسطنطنیہ کے کتبخانے

قسطنطنیہ کے قدیم کتبخانے جو مختلف اوقات مین قائم کئے گئے، ان مین بعض مخصوص

اشخاص کی طرف منسوب ہین جنھون نے انکو پبلک کردیا ہے، اور بعض کو سلاطین اور انکے خاندان کے ممبرون نے وقف عام کیا ہے، ذیل کشف الظنون سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قسطنطنیہ مین ۲۲ کتبخانے تھے جنکی کتابون کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی، لیکن اب وہان ۵۰۴ کتبخانے ہین، جنمین مختلف تعداد مین کتابین موجود ہین، ہم اس موقع پر صرف اُن کتبخانون کی فہرست درج کرتے ہین، جنمین پانچسو سے زیادہ کتابین موجود ہین،

نام کتب خانہ	نام بانی	سنہ قیام	تعداد کتب
کتبخانہ سلیم آغا	الحاج سلیم امین المطبخ العامر	۹۵۵	۱۳۸۲
،، رستم پاشا	شیخ پاشا الصدر الاسبق	۹۵۸	۵۶۰
،، امیر خواجہ	نور بانو سلطان	۹۹۱	۸۲۶
،، کوپرلی	محمد پاشا کوپرلی الصدر الاسبق	۱۰۷۲	۳۱۱۸
،، عاطف آفندی	مصطفےٰ عاطف الذہردار	۱۱۰۴	۲۸۵۷
کتبخانہ فیضیہ	السید فیض اللہ شیخ الاسلام	۱۱۱۲	۲۱۹۰
کتبخانہ شاہزادہ	ابن السلطان محمد	۱۱۲۷	۱۰۷۷
،، اندرون ہمایون	السلطان احمد الثالث	۱۱۳۱	۳۵۱۵
،، ابراہیم پاشا	داماد ابراہیم پاشا	۱۱۳۲	۱۱۷۵
،، ینگی جامع	السلطان احمد الثالث	۱۱۳۷	۱۵۴۴
،، حکیم اوغلی	حکیم اوغلو علی پادشا الصدر	۱۱۴۵	۹۴۶
،، جار اللہ	ولی الدین آفندی	۱۱۴۷	۲۱۳۴
،، ایا صوفیہ	السلطان محمود الاول	۱۲۵۲	۵۳۰۰
،، عاشر آفندی	مصطفےٰ عاشر آفندی رئیس الکتاب	۱۱۴۵	۲۲۶۴
،، الفاتح	السلطان محمد الاول	۱۱۵۵	۶۶۱۴
،، بشیر آغا	الحاج بشیر آغا	۱۱۵۸	۶۰۹۰
کتبخانہ سلیمانیہ	مصطفےٰ پادشا الصدر	۱۱۶۵	۱۱۶۰
کتبخانہ عموجہ زادہ	حسین پاشا صدر اسبق	۱۱۶۸	۵۳۵
،، نور عثمانیہ	السلطان عثمان الثالث	۱۱۶۹	۵۰۵۳
،، راغب پاشا	محمد راغب پاشا الصدر الاسبق	۱۱۷۶	۱۶۴۱
،، ولی الدین	شیخ الاسلام ولی الدین آفندی	۱۱۸۲	۳۴۸۴
،، مراد ملا	داماد زادہ محمد مراد	۱۱۸۹	۲۲۷۶
کتبخانہ حمیدیہ	السلطان عبد الحمید الاول	۱۱۹۴	۲۲۵۲
کتبخانہ علی پاشا	الشہید علی پاشا الصدر الاسبق	۰۰۰۰	۲۸۲۰
،، مہرشاہ	مہرشاہ والدۃ السلطان	۱۲۱۵	۷۲۷
،، لالہ لی	السلطان سلیم الثالث	۱۲۱۷	۳۸۶۴
،، قلیچ علی پاشا	و باغ زادہ الحاج ابراہیم	۱۲۱۹	۱۶۰۷
،، سلیمیہ	برتو پاشا	۱۲۲۱	۶۵۵
،، حالت آفندی	محمد سعید حالت آفندی	۱۲۴۴	۱۰۹۰
،، دار المثنوی	الشیخ محمد مراد	۱۲۶۰	۵۹۵
،، اسعد آفندی	اسعد آفندی نقیب الاشراف	۱۲۶۲	۳۹۴۳
،، ینی قپو	عبد الرحمن نافذ پاشا ناظر المالیہ	۱۲۶۷	۸۸۹۴

" نوزیہ	محمد راشد آفندی	۱۲۶۸	۹۶۹
" خسرو پاشا	خسرو پاشا الصدر	۱۲۷۰	۹۳۴
" مدرسۃ السلطان احمد	بعض المحسنین	۱۲۸۵	۵۹۰
" اقرائی	برتونیال والدۃ السلطان	۱۲۸۸	۸۲۹
المکتبۃ العمومیہ	حکومت عثمانیہ	۱۲۹۹	۳۲۵۰۰
مکتبہ یلدز	سلطان عبدالحمید الثانی	۱۲۹۹	۲۶۷۶۶
" ددکولی بابا	کمال باشا بن دجی باشا	۱۳۰۳	۶۱۹
" المتحف	حکومت عثمانیہ	۱۳۰۶	۱۵۲۶۰
" حسن باشا	حسن حسنی باشا ناظر البحریہ	۱۳۱۲	۱۱۶۹
" تربہ یحیی آفندی	حاج محمود آفندی	۱۳۱۹	۶۹۹
دار الفنون	حکومت عثمانیہ	۱۳۲۵	۳۶۰۰

کتبخانہ طوبقبو سرائے جو قسطنطنیہ کا بہترین کتب خانہ ہے، اور وہ کتبخانے جنکی کتابون کی تعداد پانچسو سے کم ہے انکے علاوہ ہین، ان کتبخانون مین عربی، فارسی اور ترکی مین تاریخ، ادب، اور لغت اور علوم شرعیہ کی جو کتابین ہین انکی مجموعی تعداد ۲۰۰۰۰ ہے، عربی زبان کی کتابون کو فارسی اور ترکی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کی جدول سے معلوم ہوسکتی ہے۔

(۱) مصاحف کل کے کل عربی مین ہین،

(۲) علوم شرعیہ کی کتابین فیصدی ۱۰ فارسی اور ترکی مین اور کل کی کل عربی مین ہین،

(۳) تاریخ اور تصوف کی کتابین تینون زبانون مین برابر برابر ہین

(۴) جغرافیہ طبعیہ کی کتابین اکثر ترکی مین اور بعض عربی اور فارسی مین ہین،

(۵) ادب کی کتابین اکثر عربی ہین، اور تھوڑی بہت فارسی اور ترکی مین ہین،

(۶) علوم لغویہ عربیہ کی کل کتابین باستثناء بعض عربی مین ہین،

(۷) قاموس تینون زبانون مین ہین،

ان کتبخانون مین عموماً اور کتب خانہ طوبقبو، کوپرلی، ایاصوفیہ اور نور عثمانیہ مین خصوصاً اکثر قلمی نادر کتابین ہین،

مصر کے کتب خانے مصر اور اطراف مصر مین جو کتبخانے ہین انکی مختلف حیثیتین ہین، بعض پبلک ہین بعض سرکاری ہین، بعض خاص خاص جماعتون کی طرف سے قائم ہین، بعض پرائیوٹ ہین اور بعض لوگون نے اپنے پرائیوٹ کتبخانون کو وقف عام کردیا ہے، ہم اسی ترتیب کے ساتھ پہلے قاہرہ پھر اسکندریہ، اور پھر تمام اطراف مصر کے پبلک کتبخانون کا حال لکھتے ہین، پھر پرائیوٹ کتبخانون سے بحث کرینگے،

کتبخانہ خدیویہ مشرق قریب کا یہ سب سے بڑا کتبخانہ ہے، جسکو حکومت خدیویہ نے قائم کیا ہے، اُسکی تاریخ محمد علی باشا کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۱۲۸۱ھ مین اپنے دور کمال تک پہنچ جاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب محمد علی باشا نے عربی علوم وفنون کے احیاء کا کام شروع کیا، اور بکثرت کتابین شائع کرائین تو ان کتابون کے فروخت کرنے کے لئے ایک اسٹاک قائم کیا، یہ اسٹاک اسمعیل باشا کے زمانہ تک قائم رہا، اور اسمین عربی، ترکی اور فارسی کی ۲۰۰ قلمی کتابون کا اضافہ ہوا، جنکو حکومت نے حسن باشا مناسترلی کے کتبخانے سے خریدا تھا،

مصر کی مساجد مین بہت سے کتبخانے تھے جنمین نہایت عمدہ قلمی نسخے، مصاحف، فقہ، حدیث، تاریخ اور ادب کی قدیم کتابین تھین، یہ کتبخانے اسمعیل باشا کے زمانہ تک اسی پراگندہ حالت مین تھے لیکن جب سلطان عبدالعزیز نے ۱۲۸۲ھ مین مصر کی سیاحت کی تو اسمعیل باشا کو مشورہ دیا کہ وہ ان

متفرق کتبخانون کو یکجا کرکے ایک عظیم الشان پبلک کتبخانہ قائم کرین، اسمعیل باشا نے اس مشورہ کو پ[سند] کیا، اور ۱۸۶۹ء مین علی باشا مبارک وزیر تعلیم کو کتبخانہ خدیویہ کے قائم کرنے کا حکم دیا، اور اسکے قیام کے [لئے] ایک موزون موقع کا انتخاب کیا، مطبوعہ کتابون کے اسٹاک کتبخانہ حسن باشا مناسٹرلی اور مساجد [کے] تمام کتبخانون کی کتابین، نقشے، اور آلات ہندی ایک جگہ جمع کئے گئے، اور سرکاری طور پر ۱۸۷۰ء مین اس کتبخانے کے قائم کرنیکا فرمان صادر ہوا، علی پاشا نے اسکی تنظیم و ترتیب کے لئے دستور العمل [بنایا] اور ان بکھرے ہوے موتیون کے ہار کا نام کتبخانہ خدیویہ رکھا گیا، کتبخانہ کے قائم ہونے کے چند سال [بعد] اسمعیل باشا کے بھائی پرنس مصطفےٰ فاضل باشا کا انتقال ہوگیا، اور انھون نے اپنے ذاتی شوق سے جو کتابین اپنے کتبخانہ مین جمع کی تھین، ان مین عربی، ترکی، اور فارسی کی بہترین کتابون کو جنکی تعداد ۳۴۰۵ تھی، اسمعیل باشا نے ۱۲۰۰۰ گنی پر خرید کر کتب خانہ خدیویہ کی نذر کردیا، انکے علاوہ کتبخانہ مین اور مختلف طریقون سے کتابون کا اضافہ ہوتا رہا، سب سے اہم اضافہ شیخ شنقیطی کی کتابون کا ہوا جنکی تعداد ۱۲۷۰ تھی، اوران مین ۳۰۶ بہترین قلمی کتابین تھین، اسوقت کتبخانہ خدیویہ مین ۷۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین نصف عربی زبان کی ہین، اور بقیہ کتابون کا زیادہ تر حصہ یورپین زبانون مین ہے، ترکی [کی] ۲۵۰۰ اور فارسی کی ۶۵۰ کتابین ہین، عربی کتابون مین ۳۲۰۰ کتابین تاریخ کی، ۲۰۰۰ ادب [کی] ۱۲۰۰ علوم شرعیہ کی ہین، اور یورپین زبانون مین تقریباً ۳۲۰۰ کتاب تاریخ کی اور ۴۲۲۵ لغت [کی] اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کی ہین،

کتبخانہ مین کتابون کے علاوہ بہت سی قدیم یادگارین، عربی سکے، اور عربی خط کے مختلف نمونے بھی موجود ہین،

کتبخانہ کا دروازہ پبلک کے لئے عام طور پر کھول دیا گیا ہے، ہر شخص آسانی کے سا[تھ] کتابون کا مطالعہ کرسکتا ہے، اور آسانی کے ساتھ انکی نقلین لے سکتا ہے، کتبخانے کا جو دستور العمل

اسکے ابتدا ہی مین یہ لکھدیا گیا ہے کہ اسکا مقصد کتب عربیہ کی حفاظت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے آسانیان پیدا کرنا ہے،

کتب خانہ ازہریہ

جیسا کہ مصر کی تمام مساجد مین کتبخانے تھے، ازہر مین بھی ایک کتبخانہ تھا، جسمین ابتداءً ۱۰۹۹ کتابین تھین، پھر بعد کو رفتہ رفتہ اسمین اضافہ ہوا، یہ کتابین مختلف رواقون مین منتشر تھین، اسلئے خدیو نے حکم دیا کہ جو کتابین طلبار کی ضرورت سے زائد ہون، وہ ایک جگہ جمع کیجائین، اور طلبار اور علمار کی ضروریات کے لئے اور کتابین خریدی جائین، اس حکم کی بنا پر ان تمام کتابون کو رواق اتبغاویہ مین جمع کیا گیا، فنون کے اعتبار سے الگ الگ انکی ترتیب دیگئی، اول اول صرف ۷۰۰۰ کتابین تھین، پھر رفتہ رفتہ ان مین اضافہ ہوتا گیا، یہانتک کہ انکی تعداد ۴۲۶۶۳ تک پہنچگئی، جنمین ۱۰۹۳۲ قلمی کتابین تھین، پہلے ۳۰ فنون مین کتابون کی ترتیب دیگئی تھی، اور اب انکی تعداد ۴۸ تک پہنچگئی، اب اس کتبخانہ مین ۲۰۰۰۰ کتابین علوم اسلامیہ مین، ۲۰۰۰ ادب، مدیح، اور فضائل مین، ۴۰۰۰ علوم لغویہ مین، ۹۸۰ تاریخ و سیر مین، ۱۳۰ جغرافیہ مین اور باقی دوسرے علوم و فنون مین ہین، دس ملازمین ہین، اور مہتمم کتبخانہ شیخ محمد سلیم ہین،

اس کتبخانہ کے علاوہ ازہر کے ہر رواق مین طلبار کے مطالعہ کے لئے اور بھی چھوٹے چھوٹے کتبخانے ہین، جنکو مکاتیب اروقہ کہتے ہین، ان کتبخانون مین جو کتابین ہین، انکی مجموعی تعداد ۳۰۰۰ ہے، وہ اگرچہ ازہر کے اصلی کتبخانے کی شاخ ہین، تاہم انکی حالت ابتک غیر منتظم اور غیر مرتب ہے، شیخ الازہر ان کتبخانون کو ازہر کے اصلی کتبخانے مین مدغم کرنا چاہتے ہین، لیکن طلبار اور اساتذہ اسپر راضی نہین ہوتے۔

دار الآثار اور مساجد کے کتبخانے

کتبخانہ خدیویہ نے اگرچہ مساجد کے تمام کتبخانون کو سمیٹ لیا ہے، تاہم ابتک مساجد مین زیر نگرانی محکمہ اوقاف تقریباً ۳۰ ہزار کتابین مختلف علوم و فنون کی موجود ہین،

محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ایک میوزیم ہے، جسمین ایک کتبخانہ بھی ہے، جسمین ۲۴۲ ۱۳ کتابین، اور ۱۲۰۵ البم اور مشہور مصورین کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویرین ہین، اس کتب خانہ مین زیادہ تر کتابین تاریخ اور علم آثار قدیمہ کی ہین، جنکو فرانس، جرمنی، انگلستان، امریکہ اور برازیل کی علمی انجمنون نے ہدیۃً روانہ کیا ہے،

کتب خانہ بکریہ اس کتبخانے کو سادات بکریہ نے قائم کیا ہے، جسکے شیخ طریقت اس وقت سید عبد الحمید بکری ہین، یہ کتبخانہ مصر کی سراے حرنفش مین ہے، اور مختلف علوم وفنون کی اہم کتابون پر مشتمل ہے،

اس سراے مین سید عبد الحمید کا ایک پرائیوٹ کتبخانہ بھی ہے، جسمین علوم عربیہ اور علوم عصریہ کی ایک ہزار جلدین ہین، علوم جدیدہ کی کتابین فرنچ زبان مین ہین، اور اسمین ایک خاص کتاب جسکا نام "ڈسکپرشن ایجپٹ" یعنی "وصف مصر" ہے، کئی جلدون مین ہے جسکو فرانس کی ایک علمی جماعت نے مرتب کیا ہے اور مختلف تصاویر اور نقشون کے ساتھ شائع کیا ہے،

کتبخانہ سادات وفائیہ یہ کتبخانہ سجادہ وفائیہ کی سرپرستی مین قائم ہے، ۱۲۶۸ھ مین اسکی جو فہرست مرتب کیگئی تھی اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین ہزار جلدین ہین جنمین اکثر قلمی اور نادر کتابین ہین،

کتبخانہ دردیریہ یہ کتبخانہ شیخ دردیر العدوی مالکی متوفی ۱۲۰۱ھ کی طرف منسوب ہے، بہت سی کتابین خود انکی ذاتی تھین، اور انکے وفات کے بعد بہت سی کتابین انکے دوستون نے ہدیۃً بھیجین، ان تمام کتابون کو جمع کرکے ایک کتبخانہ قائم کیا گیا جو مسجد صاحب لفریح مین ہے، ازہر کے تلامذہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہین، اور ضمانت پر کتابین مستعار لیتے ہین، کتابون کی تعداد ۱۰۷۸ ہے،

کتبخانہ مدرسہ حقوق یہ کتبخانہ اس مدرسہ کے طلبار کے مطالعہ کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین مطالعہ کا ایک خاص کمرہ ہے، کتابین روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہین، سردست ۱۹۹۵۰ کتابین ہین جنکی تقسیم یہ ہے،

۲۶۱۳ عربی، ۹۸۷۵ انگریزی وغیرہ، ۷۴۶۲ تلامذہ کے لکھے ہوے رسالے،

ان کتابون مین زیادہ تر قانون، قضاۃ، علم الاقتصاد اور اُن علوم کی کتابین ہین جو قانون سے تعلق رکھتی ہین،

کتبخانہ مدرسہ طبیہ یہ کتبخانہ خاص طور پر طلباے طب کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین فرنچ، انگریزی اور عربی کی دس ہزار کتابین ہین، اور زیادہ تر طب اور طبعیات کے متعلق ہین،

کتبخانہ جامعہ مصریہ یہ بالکل جدید کتب خانہ ہے جو چند سال سے قائم کیا گیا ہے، کتابین زیادہ تر مصر اور یورپ کے مصنفین اور اہل علم نے ہدیۃً دی ہین، انہین ہدایاے علمیہ مین شفیق بک منصور اور یحیی پاشا منصور کے دو کتب خانے بھی ہین، کتابون کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار ہے، اور انکو یونیورسٹی کے جنرل سکریٹری عبد العزیز فہمی نے یورپ کے کتبخانون کی ترتیب کے مطابق جدید طریقہ سے مرتب کیا ہے،

کتابون کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۸۶۶۰	یہ کتابین یورپین زبانون مین ہین اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین،
۱۲۰۰	یہ کتابین عربی زبان کی ہین، اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین،
۱۵۰۰	یہ شفیق بک منصور کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو یورپین زبان مین ہین،
۲۵۰	یہ انہی کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو عربی زبان مین ہین،
۲۵۰	یہ کتبخانہ یحیی پاشا منصور کی کتابین ہین۔

(باقی)

مقتبسات

اس عنوان کے تحت مین عربی وانگریزی کے بلند ترین علمی رسائل کے علمی مضامین کے مختصر خلاصے درج ہونگے

امریکہ کے جدید کتبخانے

علمی زندگی کے لئے کتبخانون کا وجود ہمیشہ لازمی سمجھا گیا ہے، اسلئے کتبخانے جس کثرت سے مغرب میں
ہین، مشرق مین بھی ہین، البتہ مغرب خصوصاً امریکہ نے انکے نظام و ترتیب وغیرہ مین جو جدتین پیدا
کی ہین، اُنکے لحاظ سے وہ ایک عجیب و غریب چیز بن گئے ہین، "نئی دنیا" کی ہر چیز نئی ہوتی ہے
ضرورت ہے کہ "پرانی دنیا" والے اس قسم کی اصلاحات اپنے ہان بھی رائج کرین،

کتبخانہ کا قدیم تخیل صرف اسقدر تھا کہ کتابون کا ذخیرہ ایک مقام پر فراہم کردیا جائے، اور
لوگ وہان آکر اپنے حسب مذاق کتابون کا مطالعہ کرسکین، چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے
بیشتر کتبخانہ اسی اصول کے مطابق قائم ہین، لیکن امریکہ نے سرے سے یہ تخیل ہی بدلدیا، اور
کتبخانہ کو ایک زندہ و متحرک دلفریب بستی بنادیا، جو پبلک کو خود اپنے اوپر مائل و گرویدہ کرے۔

امریکی کتبخانہ کی پہلی خصوصیت اسکی ظاہری دلفریبی ہوتی ہے، بجائے تنگ و غلیظ گلیون
ایک تیرہ و تار حجرہ کے اسکی عمارت نہایت پرفضا و خوش منظر ہوتی ہے کہ انسان کو خود بخود تفریح
حاصل ہوسکے، کمرے نہایت وسیع، روشن اور ہوادار ہوتے ہین، جو پھول پتیون، شاداب گملون
اور خوشنما و آرام دہ فرنیچر سے آراستہ ہوتے ہین، جہان گھنٹون بیٹھکر بھی طبیعت نہین گھبراتی،
چھت طلائی مینا کاریون سے منقش ہوتی ہے، چارون طرف برقی لمپ جگمگاتے ہوتے ہین، اور
زمین پر نرم و دبیز قالینون کا فرش ہوتا ہے جس سے چلنے والون کی آواز مطلق نہین سنائی دیتی
اور کمرہ مین باوجود آمد و رفت کے بالکل سکون قائم رہتا ہے۔

عام کتبخانون مین کتابین بہ احتیاط تمام الماریون کے اندر مقفل رہتی ہین، اور شائقین کی
دسترس ان تک عملہ کتبخانہ کی وساطت سے کافی زحمت انتظار کے بعد ہی ہوسکتی ہے، لیکن
امریکہ مین جمہوریت کا یہ اثر ہے کہ کتابین الماریون پر بالکل کھلی ہوئی حالت مین رہتی ہین، جسے
جو کتاب پسند ہو بے تکلف فوراً اُٹھا سکتا ہے، اسمین نہ کسی اہلکار کتبخانہ کی مدد کی ضرورت
ہوتی ہے نہ اجازت کی،

عمارت کتبخانہ کے وسط مین ایک بڑا کمرہ عام دار المطالعہ (جنرل ریڈنگ روم) کے
نام سے موسوم ہوتا ہے، جسمین ہر قسم کا متفرق لٹریچر موجود رہتا ہے، لغت، قاموس، تاریخ،
جغرافیہ، افسانہ، شاعری، فلسفہ، سائنس جملہ علوم و فنون سے متعلق عام فہم کتابون کا ذخیرہ یہان
ملسکتا ہے، اسکے اطراف مین متعدد کمرے مختلف شعبون کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین، شلاً
ایک دار الاخبارات ہوتا ہے، جسمین تمام روزانہ و ہفتہ وار اخبارات فراہم رہتے ہین، دوسرا
دار الرسائل ہوتا ہے جسمین ماہوار و سہ ماہی رسالے یکجا ملتے ہین، ایک کمرہ مین صرف موسیقی کے
متعلق لٹریچر اور آلات ہوتے ہین، ایک کمرہ نوادر اشیاء کے لئے مخصوص ہوتا ہے، وقس علی ہذا،
سب سے کنارہ پر بعض کمرہ محض محققین فن کے لئے مختص ہوتے ہین جو کسی علم سے متعلق تلاش
مواد کرکے اس پر تصنیف و تالیف کرنا چاہتے ہین،

ان کتبخانون کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان مین ایک حصہ بچون کیلئے
ضرور مخصوص ہوتا ہے جسکی نگرانی عموماً عورتون کے ہاتھ مین ہوتی ہے یہ کمرے رنگین نقشون، مرقعون
اور تصویرون سے مزین ہوتے ہین، ایک طرف تعلیمی کھلونے رکھے ہوتے ہین، اور دلچسپ کہانیون
کی کتابین خاص بچون کے مذاق کی موجود ہوتی ہین، اس صیغہ کے اہلکارون کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ
بچون کو کہانیان سنایا کرین، اور ایسی کہانیان جن سے انکی عقلی و اخلاقی تربیت ہوتی رہے۔

کتبخانون کے کھلے رہنے کا وقت بھی ۱۴ گھنٹون سے کم نہین ہوتا، عموماً کتبخانہ ۸ بجے صبح سے ۱۰ بجے شب تک کھلے رہتے ہین، اور تعطیلات مین بھی بند نہین ہوتے، تاکہ ہر پیشہ اور طبقہ کے افراد پورا فائدہ اٹھا سکین، ان کتبخانون کے عہدہ دار خاص طور پر خوش اخلاق و خندہ رو ہوتے ہین، ناظرین کی مدد دینا اُنکے فرائض مین داخل ہے، کوئی اہلکار آکر فراہمی مواد مین ہاتھ بٹائیگا، اور کوئی تلاش کتب مین اعانت کرنے لگیگا،

ہر کتبخانہ مین ایک کمرہ معلومات عامہ کے لئے بھی مخصوص ہوتا ہے، اسمین ٹیلیفون لگا رہتا ہے، اور جو لوگ خود کتبخانہ تک نہین آسکتے، وہ گھر بیٹھے اسکی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہین، یہ کمرہ جس اہلکار کی نگرانی مین رہتا ہے اسکا فرض ہے کہ جو شخص ٹیلیفون کے ذریعہ سے جس قسم کی معلومات بھی حاصل کرنا چاہے وہ اسکے لئے مہیا کرے، فری پبلک لائبریری نیویارک نے حساب لگایا ہے کہ اسے سالانہ پانچ ہزار سوالات کے جواب بذریعہ ٹیلیفون دینا ہوتے ہین، اور یہ سوالات بھی عجیب عجیب قسم کے ہوتے ہین، ایک صاحب دریافت کرتے ہین کہ کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی کتنی ہے؟ دوسرے صاحب مستفسر ہوتے ہین کہ فلان لفظ کا املا کیا ہے؟ ایک اور صاحب پوچھتے ہین کہ ہندوستان کا سب سے بڑا دریا کون ہے؟ ایک صاحبہ یہ جاننا چاہتی ہین کہ عورتون کے متعلق انگریزی زبان مین کتنے رسالے اور کہان کہان سے شایع ہوتے ہین، وقس علی ہذا، کوئی دوسرا ہو تو گھبرا اُٹھے لیکن ذمہ دار اہلکار کا فرض ہوتا ہے کہ حتی الامکان سب سوالات کا بکمال خندہ روئی جواب دے.

ایک علحدہ کمرہ مین قلم، دوات، کاغذ، لفافہ وغیرہ خط و کتابت کا پورا سامان موجود رہتا ہے جس سے ناظرین بلا قیمت مستفید ہو سکتے ہین، البتہ اگر وہ اعلیٰ قسم کے لفافہ و کاغذ چاہین تو اُنکے لئے اُنہین مناسب قیمت دینا ہوگی، اسکے علاوہ مناسب معاوضہ دینے پر ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سے کام لیا جا سکتا ہے، نیز کاغذات کا ترجمہ مختلف زبانون مین کیا جا سکتا ہے، گویا ہر لائبریری اپنے ساتھ دفتر کارروائی امور متفرقہ بھی بطور ضمیمہ رکھتی ہے،

مغربی تمدن کی زندگی اشتہارات پر قائم ہے، اس آلہ سے مقاصد کتبخانہ کی نشر و اشاعت مین بھی پوری مدد ملجاتی ہے، وقتاً فوقتاً شہر مین اس قسم کے اشتہارات برابر چسپان ہوتے رہتے ہین، جن سے پبلک مین کتب بینی کا مذاق پیدا ہو اور کتبخانہ کی سیر کی تشویق و ترغیب ہو،

جو لوگ اپنے گھرون مین کتابین دیکھنا چاہتے ہین، وہ ایک وقت مین ایک متعین تعداد مین کتابین لیجا سکتے ہین، اور اگر زیادہ عرصہ تک رکھنا چاہین تو دو پیسہ یا ایک آنہ روزانہ کے حساب سے اُنہین فیس دینا ہوتی ہے، یہ فیس بظاہر ہلکی ہوتی ہے لیکن اس سے کتبخانون کی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے، چنانچہ نیویارک پبلک لائبریری کی سالانہ آمدنی صرف اس مد سے تقریباً ۷۵ ہزار روپیہ ہوتی ہے،

ان سب کے علاوہ امریکہ نے ایک طریقہ "گشتی کتبخانون" کا نکالا ہے، یعنی شہر کے بڑے بڑے کتبخانہ اپنے ہان کی چند سو یا چند ہزار کتابین انتخاب کرکے قصبات و دیہات مین بھیجتے رہتے ہین تاکہ دیہاتی آبادی بھی شہری آبادی سے پیچھے نہ رہے،

برٹش انڈیا (ہندوستان کے انگریزی علاقہ) مین ابھی وہ دن دُور معلوم ہوتا ہے جب ان اصلاحات پر عمل ہو سکیگا، لیکن مقام مسرت ہے کہ ایک روشن خیال ہندوستانی والی ملک نے اپنے قلمرو مین ان پر عمل شروع کر دیا ہے، ہز ہائنس مہاراجہ بڑودہ نے اپنے ہان جو کتبخانہ قائم کیا ہے، اسمین اسوقت ۷۵ ہزار سے زاید کتابین موجود ہین، جنمین ۴۱ ہزار انگریزی زبان مین ہین، اور باقی ۳۴ ہزار ہندوستان کی مختلف زبانون مین، اس کتبخانہ کا نظام ایک بڑی حد تک امریکی نظام کے مطابق ہے، بچون کا صیغہ، نوادر کتب کا صیغہ، یہ سب شعبے الگ الگ موجود ہین، اور سنسکرت کا شعبہ سنا ہے کہ اپنی نوعیت مین بے نظیر ہے،

روح، مادہ، اور ایتھر

پروفیسر سر آلیور لاج اسوقت انگلستان مین طبعیات کے شاید فاضل ترین استاد ہین،
یورپ کے علماے سائنس مین انکی عظمت وفضیلت مسلّم ہے، اور عام حکیمانہ ناموری کے لحاظ سے
آج مشاہیر فضلاے یورپ مین اُنکے ہمپایہ چندہی افراد نکل سکتے ہین، پروفیسر موصوف ایک عرصہ
درازسے عالم روحانیات کے قائل ہین، اور اسکے متعلق انکی متعدد تصانیف شایع ہوچکی ہین،

عنوان بالاسے پروفیسر موصوف نے مشہور علمی سہ ماہی رسالہ ہبرٹ جرنل کے جنوری نمبر
مین ایک مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے، جسمین خاص مادہ اور ایثر (ایتھر) کے باہمی تعلقات پر
بہ امعان نظر بحث کیگئی ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ "عالم ارواح" کے وجود کے تسلیم کرنے مین جو
دشواریان نظر آتی ہین وہ ایثر کے وجود کے بعد ازخود رفع ہوجاتی ہین، مضمون کے آخری ٹکڑے کا
ترجمہ حسب ذیل ہے،

"مجھے یقین کامل ہے کہ ایثر جس طرح اسوقت تک فن طبعیات مین ایک حد تک شامل
ہوگیا ہے، اسی طرح آیندہ نسلون کا یہ کام ہوگا کہ اسے (ماوراے مادیات) نفسیات کا بھی جز
بنائین، اسوقت "روح" کا مفہوم صاف و متعین ہوجائیگا، اسوقت اجسام غیر مادی کا تخیل
مبہم، ناصاف وبے معنی نہ رہیگا، اسوقت روح کے نام سے جھجک مٹ جائیگی، اور اُسوقت
روح کا وجود بھی ایسا ہی حقیقی وغیر مشتبہ، واضح ومحسوس ہوجائیگا، جیسا اسوقت ذرات برقی کا ہے
کرۂ ارض کے اجسام مادی اور اجسام ایثری (غیر مادی) یا ارواح کے درمیان باہمی فعل
وانفعال کے جو طریقے ممکن ہین وہ اسوقت سمجھ مین آنے لگین گے، اس جدید علم کے ساتھ
(بشرطیکہ اسے مناسب نشو ونما کا موقع ملا) ایک جدید قوت ظہور مین آئیگی، اور یہ جدید قوت

کام مین آئیگی، حیات بشری کا مقصد، اور جو اسرار و مسائل اسکے ساتھ وابستہ ہین ازخود حل
ہوتے جائین گے، اسوقت یہ عجیب وغریب اعمال وافعال جنکی تحقیقات اسوقت تک
صرف مختصر دائرہ کے حلقون تک محدود و مختص ہے، اور جسکے نتائج آج اسقدر مستبعد
سمجھے جاتے ہین کہ اکثرون کے نزدیک مضحکہ خیز ہین، سائنس کے مسلّمہ حقائق بن جائینگے،
"رویاے صادقہ"، "کشف" و "اشراق" کے دعوی مستدل نظر آنے لگین گے، اسوقت
ان محققین کا نام یقیناً ممنونیت کے ساتھ لیا جائیگا، جنھون نے گذشتہ صدیون مین اس
صداقت کی شہادت دی تھی، اور اس اعلان حق کی راہ مین انہین ناواجب تحقیر و مضحکہ کا
مقابلہ کرنا پڑا تھا، بالآخر ایک روز حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھیگا، تعصبات و توہمات کے
بادل چھٹ جائین گے، اور زندون اور مردون مین باہمی نامہ و پیام کا سلسلہ نوع انسانی کے
حق مین آیۂ رحمت ثابت ہو کر رہیگا"

مضمون بالا کے ضمیمہ مین فاضل موصوف مادہ و ایثر کے باہمی تعلقات پر حسب ذیل
رقم طراز ہین:-

"مادہ اور ایثر کے فرق اور باہمی تعلقات اکثر ناقابل فہم سمجھے جاتے ہین، مادہ وہ ہے
جو حرکت کرتا ہے، حرکت اسکا خاصہ ہے، جس شے کو عضلات انسانی یا انکے مماثل
کوئی شے حرکت دے سکے، اسی کا نام مادہ ہے، مادہ کا علم حس عضلی سے ہوتا ہی جو شے
لمس سے محسوس نہین ہوتی ہے، مثلاً آئینہ مین اپنا عکس، وہ غیر مادی ہے، لیکن بیشمار
اشیا ہمارے حس عضلی یا کسی حس کے بھی احاطہ مین نہین آتین، باایں ہمہ قطعی وجود حقیقی
رکھتی ہین، ہمارے آلات حواس حیوانات سے ارثاً ہم مین منتقل ہوئے ہین، اسلیے کہ
وہ تنازع للبقا مین کارآمد ثابت ہوئے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ وہ معیار حقیقت ہین،

(یعنی انہین کی بنا پر کسی شے کے وجود و عدم کا فیصلہ کیا جا سکے) ایثر کا ہمین براہ راست کوئی حس نہین ہوتا، اسلئے اگر کوئی روحانی ہستی بجائے مادہ کے ایثر مین متشکل ہو کر آئے تو لامحالہ ہمارے حس براہِ راست سے خارج رہیگی،

ایثر کا وجود کائنات روحانی مین نہین بلکہ مادی ہی مین ہے، تاہم وہ اغلباً مادہ کی طرح روحانی واسطہ کا کام دیتا ہے،،

ان خیالات کے نقل کرنے سے ان سے تمامتر اتفاق مقصود نہین، البتہ اتنا عرض کرنا بیجا نہو کہ جس شخص کے قلم سے یہ خیالات ادا ہوئے ہین وہ اس قابل نہین کہ اسکے افادات علمی بے توجہی کے ساتھ سرسری نظر سے دیکھکر ختم کر دیا جائے، سنجیدہ غور و فکر انکا فطری حق ہے

بالشویزم کا اثر علمی دنیا پر

بالشویزم نے سیاسی دنیا مین جو تہلکہ برپا کر رکھا ہے اسکا حال ہر شخص جانتا ہے، لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہو گا کہ اس تحریک کا طرز عمل علمی دنیا سے متعلق کیا ہے۔ پروفیسر روسٹوزیف پروفیسر پٹروگراڈ یونیورسٹی و ممبر رشین اکاڈیمی آف سائنس نے اس بحث پر ایک مضمون لکھا ہے جسکے جستہ جستہ مقامات ہم امریکہ کے تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے صفحات سے نقل کرتے ہین۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہین:-

"ایک سال سے زاید ہو گیا کہ روس کی عنان حکومت بالشویک گروہ کے ہاتھ مین ہے مین تقریباً اس سارے عرصہ مین روس ہی مین مقیم رہا ہون، اور غور و توجہ کے ساتھ انکے اعمال کا مطالعہ کر کے دیانت کے ساتھ اس تلاش مین لگا رہا ہون کہ انھون نے ذہنی اور مادی دونون حیثیتون سے تخریب جو اپنا نصب العین رکھا ہے، اسکے پہلو مین شاید کچھ

اجزا تعمیری دریافت ہو سکین، لیکن مین اس تلاش مین ناکام رہا، انکے اعمال مین تعمیری حیثیت کا شائبہ تک مین نہ پا سکا، جدھر نظر اٹھا کر دیکھیے ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر دکھائی دینگے، اگلے صدیون کے تمدن کی یادگارین ایک ایک کر کے مٹتی جاتی ہین، اور روس کی حالت بالکل میدان جنگ کی ہو رہی ہے، جہان ہر طرف نہب و غارت ہی کے مناظر نظر آتے ہین، بالشویک گروہ کے کارنامون مین کسی جدید تمدن کی داغ بیل پڑتی ہوئی ایک جگہ بھی مجھے نظر نہ آئی"۔۔۔۔۔

اسکے بعد مضمون نگار نے اپنے ملک مین صنعت و حرفت وغیرہ کی بربادی پر اشک فشانی کی ہے، آگے چلکر لکھتے ہین:-

"پیٹر اعظم کے زمانہ سے روس مین سائنٹفک حیثیت سے ممتاز ترین انجمن، رشین اکاڈیمی آف سائنس رہی ہے، روس مین سائنس کی تخم ریزی اسی نے کی، اور یونیورسٹیون کی مدد سے اسمین برگ و بار بھی اسی نے پیدا کئے، شروع شروع بالشویک بھی اس مرکز کمال پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ججھکتے رہے، لیکن یہ ججھک صرف چند روزہ رہی، مین جب روس چھوڑ رہا ہون اسوقت اکاڈیمی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا، اسکے یہ پایا تھا کہ اکاڈمی "عام" کر دیجائے، جسکے یہ معنی تھے کہ برباد کر دیجائے، اور اسکے بجائے ایک جدید اکاڈیمی قائم ہو، جسکی خصوصیت امتیازی یہ ہوگی کہ اسکی رکنیت صرف علما و سائنس تک محدود نہ رہیگی، بلکہ اسکے دروازے جمہور کے تمام نائبین کے لئے کھلے رہین گے، خواہ وہ کتنے ہی جاہل ہون، اسکے نصاب سے "اصول قانون" اور السنہ قدیمہ کے مضامین خارج ہونگے، کہ انکی تحصیل بیسود ہے، اور بجائے انکے اس جمہوری بیت العلم مین کچھ جدید معاشری علوم داخل کئے جائینگے، جنکی تدوین کا شرف ان علما جمہور کو حاصل ہوگا۔

یونیورسٹیون کا مستقبل بھی اس سے چندان مختلف نہین، قانون، اور فنون کے شعبہ

بالشویک نظام عل سے خارج ہین، یونیورسٹیون کا نظام تمامتر جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہوگا جسمین طلبہ تو ایک طرف اساتذہ تک کیلئے بھی کسی علمی سند کی ضرورت نہین، اس لحاظ سے یہ بالکل ممکن ہے کہ جمہور کی "علمی مجلس" کے جملہ ارکان علم و فن سے ناآشنائے محض ہون، پروفیسری کا عہدہ علمی قابلیت و استعداد کے بجائے محض کثرت آرا کی بنا پر ملیگا، یعنی اگر ایک جاہل مطلق کو ووٹ کافی تعداد مین ملجائین تو اسے اس فاضل اجل پر ترجیح ہوگی جسکے ووٹ کم ہون،

تمام علمی و تعلیمی مسائل کا فیصلہ نائبین ارکان کی مجلس کے ہاتھ مین ہوگا، جنمین ۲ ارکان کی طرف سے ایک نائب منتخب ہوگا، نصف جماعت ان لوگون کی ہوگی اور باقی نصف تعداد اہل حرفہ و کاشتکارون کی انجمنون کے نائبون پر شامل ہوگی"

ان حالات کا نتیجہ بقول صاحب مضمون کے یہ ہوا ہے کہ ابتدائی تعلیم کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے، دیہاتی مدارس بند ہوتے جاتے ہین، شہر کے مدارس انحطاط پر ہین، اور یہ سب اسلئے کہ جمہوریہ کے ارباب حل و عقد تعلیمی مصارف کی منظوری دینے مین انکار کرتے ہین، اور یہی حال اعلیٰ کالجون اور یونیورسٹیون کا بھی ہے،

ملک کے مشہور مصنفون، ادیبون اور انشاپردازون کو فوج مین بھرتی ہونے کا حکم دیا گیا اور انکار پر سخت سے سخت سزائین دیجاتی ہین، متعدد آزاد خیال جراید و رسائل بند ہوگئے اور کاپی رائٹ کے قانون کی منسوخی سے ارباب قلم کا ذریعۂ رزق جاتا رہا ہے،

اگر یہ حالات صحیح ہین تو ہندوستان کو بالشویزم کی اصلیت پہچاننے مین دھوکا نہ کھانا

جذبات رذیلہ

عنوان بالا سے کیمبرج میگزین مین ایک انگریز نے حال مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین یہ بتایا تھا کہ انکی اصلاح کے تین طریقہ ہین،

(۱) جزا و سزا، یعنی جذبات عالیہ پر تحسین و آفرین اور خبیثہ پر تعزیر و نفرین،

(۲) انکی مضرتون کو گھٹا کر انکا رخ مفید مقاصد کی طرف پھیر دینا اور اسمین لطافت و حسن کی آمیزش کر دینا،

(۳) طبی ذرایع سے خواہشات نفسانی کا علاج کرنا،

ہندوستان کے نامور فلسفی، بابو بھگوان داس ایم، اے نے رسالہ تھیاسوفسٹ (جون نمبر) مین اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ طریقے بھی اگرچہ بجائے خود محمود و مستحسن ہین، تاہم حکمائے مشرق کا تخیل اس سے بلند ہے، انکے نزدیک بغیر روحانیت کے امتزاج کے پوری اصلاح اخلاق ممکن نہین،

وہ لکھتے ہین کہ بدی سے بچنے اور نیکی کی طرف راغب ہونے کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان کو نیکی بدی کا صحیح علم ہو، جب علم صحیح و قطعی ہوگا تو لامحالہ ضبط نفس بھی پیدا ہوگا، لیکن یہ انعام و سزا کا طریقہ صرف عوام کے لئے مفید ہو سکتا ہے، جو لوگ بلند سطح پر ہین انکے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ انکے قوی و جذبات کا رخ مفید مقاصد کی جانب پھیر دیا جائے، مذہب نے بر و خیرات، اور اپنے بانی کے ساتھ عشق و محبت کے جو طریقے بتائے ہین، وہ اسی اصول ثانی الذکر کی مثالین ہین، رہا تیسرا طریقہ تو صوفیون کے ہان جو اعمال و ریاضات ہین، وہ سب اسی پر مبنی ہین، مثلاً حبس دم یا ہندوون کا یوگ وغیرہ،

لیکن انکے نزدیک ان تمام طریقون سے بڑھ چڑھ کر اصلی علاج یہ ہے کہ بجائے افراد کی اصلاح کے

خود ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح کیجائے، جب سوسائٹی کا اخلاقی قوام درست ہوگا لامحالہ افراد کا اخلاق بھی درست ہوگا، اسلئے کہ

"فرد خواہ اسکا طرز زندگی کچھ بھی ہو، اپنے گرد وپیش کی سوسائٹی سے کسی حالت مین بھی غیر متاثر نہین رہ سکتا، مادی حیثیت سے فرد کی صحت وعدم صحت ہمیشہ جماعت کی صحت و عدم صحت کے تابع ومتناسب ہوتی ہے، بعینہ یہی حال اسکی اخلاقی صحت کا بھی ہے، اور تو اور ایک سنیاسی (زاہد خلوت گزین) تک بھی گو دنیا سے ایک بڑی حد تک بے تعلق ہوجاتا ہے تاہم بالکل بے تعلق نہین ہوسکتا، تاوقتیکہ نفس کی آمد وشد اسکے جسم مین باقی ہے"

مضمون نگار کا دعوی ہے کہ تمام مذاہب خصوصاً قدیم ہندو مذہب نے اسی اصول کو پیش نظر رکھکر بجائے افراد کے جماعات کی اصلاح کو اپنا مقصود رکھا ہے، تاکہ ایک ایسا مکمل و بے عیب نظام معاشرت قائم ہوجائے جسکے اجزا کو غلط روی کا موقع ہی نہ ملے، ایک مشین اگر ہر طرح کامل ومکمل ہے تو ممکن نہین کہ اسکا کوئی پرزہ بے راہہ روی اختیار کرسکے۔

غالباً

ناظرین معارف اور شائقین سیرۃ نبوی یہ سنکر خوش ہونگے کہ سالہا سال کی جد وجہد کے بعد آخر ہم اس لائق ہوے کہ معارف پریس مین ایک لیتھو مشین کا اضافہ کرین، زمانہ کانپور کا مشین معارف پریس نے خرید لیا، ایک مہینہ ہوا کہ مشین آکر مرتب ہوگیا اور کام دینے لگا، چنانچہ معارف کا یہ نمبر اسی مشین پر چھپا ہے، سیرۃ النبی جلد دوم کا کام جاری ہے، ہر قسم کے کاغذ جنکی مجموعی قیمت کم وبیش سات آٹھ ہزار روپیہ ہے لکھنؤ، کلکتہ اور بمبئی سے آگئے، کاپیان تیار ہین، اس مہینہ سے اسکی چھپائی کا کام شروع ہوگیا، امید ہے کہ اس جلد کی ضخامت ...۸ صفحہ کی ہوگی، اور آخر سال تک چھپکر مطبع سے نکلیگی، جلد اول کا دوسرا ایڈیشن جسکی تقطیع چھوٹی کردیگئی ہے زیر کتابت ہے

باب التقریظ والانتقاد

رسائل چراغ علی

کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین جہان بہت سی نوادر اور نایاب چیزین ہین، وہان ایک سب سے عجیب اور نادر چیز مولوی عبداللہ خان صاحب ہین، یہ ایک مدت سے یہان فروکش ہین اور ہمیشہ مشاغل علمی مین مصروف رہتے ہین، اور انکے علاوہ "دین ودنیا" کی کسی چیز سے انکو تعلق نہین، جسطرح قدرت کبھی کبھی "جسمانی عجائب المخلوقات" کا تماشا دنیا کو دکھاتی ہے، اسی طرح "دماغی عجائب المخلوقات" کا تماشا بھی وہ گاہے گاہے دکھا دیتی ہے، ہمارے مولوی عبداللہ خانصاحب انہین دماغی عجائب المخلوقات مین سے ہین، تعلیمی حیثیت سے وہ نہ کسی علم وفن سے واقف اور نہ کسی مشرقی یا مغربی زبان سے آگاہ، نہ اپنے ہاتھ سے لکھنے پر قادر، لیکن از روے حقیقت وہ اکثر علم وفن سے آشنا، اور فارسی وعربی وغیرہ زبانون سے خبردار، اور تواریخ ورجال اور نوادر کتب ومطبوعات سے کامل مطلع،

نگار ما کہ بمکتب نرفت "وخط ننوشت"

بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ ایک "جملہ بیانیہ" تھا، اصل مین لکھنا یہ ہے کہ ان مولوی عبداللہ صاحب کو چند سال سے ادہر توجہ ہوئی ہے کہ نادر کتابون کو چھاپکر شایع کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے وہ **گلشن ہند** مرزا لطف، **ماثر الکرام** و **سرو آزاد** علامہ آزاد بلگرامی، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، وتحقیق الجہاد مصنفہ مولوی چراغ علی مرحوم، وترجمہ ابن خلکان اردو چھاپکر شایع کرچکے ہین، سب سے آخری کتاب جو انھون نے چھاپی ہے وہ **رسائل چراغ علی** ہے،

مولوی چراغ علی مرحوم کو خلافیات ما بین الاسلام والنصرانیہ مین جسقدر عبور کامل تھا وہ مخفی نہین،

غدر کے قرب و پیش زمانہ مین ہندوستان اسلام و نصرانیت کا رزمگاہ بنا ہوا تھا، مشنر
سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی اسلامی حکومت کی طرح ہندوستان کے اسلامی مذہب کو بھی فتح کر
نہایت آسان ہے، لیکن تھوڑے ہی دنون کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ لارڈ کلایو اور پادری فنڈ
کے میدانون مین بہت بڑا فرق ہے،

غرض اس ضرورت سے علماے اسلام کو ردِ نصاری کی طرف توجہ ہوئی، اور مولوی رحمۃ
صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی، مولوی سید آل حسن صاحب موہانی اور آخر مین مولو
سید محمد علی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلمار نے اس میدان مین کارہاے نمایان انجام دیئے ہین
مولوی چراغ علی مرحوم اور سرسید احمد خان نے اس فن مین دوسرا راستہ اختیار کیا، پہلے بزرگون کا قاعد
یہ تھا کہ وہ الزامی جواب دیتے تھے، یعنی مسیحی جو اعتراض اسلام پر کرتے تھے وہ اسی طرح کی بلکہ د
باتین توراۃ و انجیل سے نکال کر دکھا دیتے تھے، مولوی چراغ علی صاحب اور سرسید نے جو را
اختیار کیا اسکا نام انکے دوستون نے "تحقیق" رکھا ہے، یعنی اسلام کے جس مسئلہ پر مخالف نے اعتراض
انھون نے اُسکے سیدھے ہر طریقہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ یہ مسئلہ اسلام مین نہین، بلکہ مولویون کی
کتابون مین ہے، اسلئے یہ اعتراض درحقیقت مولویون کی کتابون پر ہے، نفس اسلام پر نہین،
مثلاً یون سمجھیے کہ عیسائیون نے غلامی اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل پر اعتراض کیا
اس عہد کے عام مناظر علما نے یہ کیا کہ توراۃ و انجیل کے حوالون سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ باتین تمہا
مذہب مین بھی ہین، اور ان مین کوئی برائی نہین، گذشتہ انبیا کی شریعتون مین یہ چیزین جائز تہین
مولوی چراغ علی اور اُنکے اتباع نے یہ ثابت کیا کہ نفس غلامی اور تعدد ازدواج اسلام مین
جائز ہی نہین، یہ مسائل مولویون کے ذاتی اجتہادات اور رائین ہین، اس طریقۂ مناظرہ سے
جو نقصانات پیدا ہوے وہ نہایت اہم ہین، ایک یہ کہ لوگون کو اسلام کے مسائل پر اعتماد نہ رہا کہ

آیا جو کچھ ہم نے پڑھا اور سُنا ہے وہ صحیح ہے یا نہین، چنانچہ اُسکے آثار اتبک صوبہ پنجاب مین
باقی ہین، جہان مذہب اور فرقہ اس طرح اُگتا ہے جیسے برسات مین حشرات الارض،

دوسری بات یہ ہوئی کہ چونکہ عموماً یہ باتین کھینچ تان کر عبارتون کے مطالب کو اُلٹ پلٹ کر
اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر کہی جاتی ہتین اسلئے لوگون پر اُنکی کمزوری ظاہر ہو جاتی تھی،
اور وہ غلطی سے ان کمزوریون کو بجاے ان مصنفین کے اصل اسلام کی طرف منسوب کرنے لگے،
اور میری راے مین جوابدہی کا جو طریقہ ہمارے ان مناظرون نے اختیار کیا تھا، گو مولانا حالی
حیات جاوید مین اُسکو کسیقدر سراہین اور اسکا نام "تحقیق" سے بھی بلندتر کوئی حقیقت رکھین لیکن درحقیقت
وہ ایک قسم کا اعتراف شکست تھا،

تہ کی بات یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ یورپین تمدن سے مرعوب ہو گئے تھے اور دل ہی دل مین
اسکی خوبی کو محسوس کرتے تھے، اسلئے نیک نیتی سے وہ چاہتے تھے کہ یہ باتین ہمارے مذہب مین بھی
رائج ہو جائین، اور سرسید کا یہ فقرہ اُنکی دلی عقیدت پر مبنی تھا، کہ "ہم اپنی قوم کی ترقی کا وہ دن سمجھین گے
جس دن وہ مذہب کے سوا ہر چیز مین انگریز ہو جائین گے"، لیکن اب ہمارے نوجوان فیصلہ کر سکتے ہین کہ
قوم کی قومیت کے عناصر کیا ہین؟ اور عناصر قومیت کے کون و فساد کے بعد اصل قومیت کا وجود
کہانتک باقی رہ سکتا ہے؟

مولوی چراغ علی مرحوم کا جو طریقۂ تحقیق ہے اور جس طرح وہ اپنے مطلب کی بات گمنام گوشون سے
اور دور از قیاس مقامات سے نکال لیتے ہین، وہ حقیقت مین قابل داد ہے اور اسکی تعریف نکرنا
"ستم برجان سخن" ہے، اور اپنے مطلب کے لئے سُنی شیعہ کی تمام کتابون کو کھنگال ڈالتے ہین،
اور جہان سے اور جس فقرہ سے اور جس تاویل سے بھی ممکن ہو اپنا مقصود ثابت کر لے جاتے ہین،
ایک عام اصول انکی طرز تحقیق کا یہ ہے کہ جو حدیث یا روایت اپنے مقصود کے خلاف ہو،

گو وہ بخاری ہی کی کیون نہو اسکو مجروح وضعیف ثابت کرنے مین ہر قسم کی کوشش کرڈالتے ہین
اور ضعیف سے ضعیف حدیث یا روایت جو انکے مقصود کے موافق ہو بغیر ادنی جرح کے وہ اُس پر سے
گذر جاتے ہین اور اسمین کسی قسم کا کلام نہین کرتے اور بجاے اصل سلسلۂ روایت پر گفتگو کرنیکے
وہ حدیث جس کتاب کے اندر ہے اس کتاب کے مصنف کی ثقاہت وشہرت کا ذکر کرکے
لوگون کو مغالطہ مین ڈالتے ہین، حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ شیخین کے علاوہ بڑے بڑے محدثین ہر قسم
کی حدیثین اپنی کتابون مین لاتے ہین، بعض لوگ ان حدیثون کی حالت وحیثیت بھی بیان
کردیتے ہین، اور بعض نقد وبحث سے گریز کرتے ہین، اور اسکو طلبہ اور علما کیلیے چھوڑ دیتے ہین

رسائل چراغ علی جو عنوان سخن ہے، چار رسالون کا مجموعہ ہے،

رسالۂ اول تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام

رسالۂ دوم مجموعۂ روایات استرقاق وتسری،

رسالۂ سوم تدبیر الاسلام فی تحریر الامۃ والغلام

رسالۂ چہارم تحقیق مسئلۂ تعدد ازدواج،

یہ رسائل اس سے پہلے نہین چھپے تھے، مولوی عبداللہ خان صاحب کو خوش قسمتی سے
انکے مسودات مرحوم کے خاندان سے ہاتھ لگ گئے تھے، ان مسودون مین کل چھوٹے بڑے دہ
رسالے برآمد ہوے، جنمین سے یہ چار رسالے ہین، یہ چارون رسالے مرحوم نے حیدرآباد جانے سے
پہلے اسوقت لکھے تھے جب وہ اودھ مین گورنمنٹ کے ملازم تھے، کچھ رسالے سیتاپور کے
زمانۂ قیام مین لکھے تھے،

یہ چارون رسالے جو اسوقت چھپی ہوئی صورت مین ہین، جامع رسائل یعنی مولوی عبداللہ خان نے
اسی تودہ گلان سے اُٹھا کر ملک کے سامنے رکھے ہین، انکا بیان ہے کہ یہ رسالے کسیقدر غیر مرتب

حالت مین تھے، کتابون کے نام لکھے تھے لیکن صفحات کے حوالے نہین تھے، جامع نے محنت
اٹھاکر انکے حوالے نکالے، جابجا کچھ حواشی چڑھائے، رسالون کی ترتیب درست کی اور
پھر چھاپکر انکو شایع کیا،

پہلا رسالہ مولوی سید محمد عسکری صاحب مرحوم کی کتاب "حقیقۃ الاسلام" اور مولوی محمد علی صاحب
بچھرایونی مرحوم کی کتاب "رد النفاق فی جواز الاسترقاق"، کے جواب مین ہے، جنکو ان دو بزرگون نے
سرسید کے رسالہ "تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام"، کی تردید مین لکھا ہے، یہ رسالہ مرحوم نے
سیتاپور مین ۱۸۷۶ء مین لکھا تھا،

دوسرا رسالہ بھی مرحوم نے سیتاپور ہی مین بیٹھکر اسی ۱۸۷۶ء مین لکھا تھا، اس رسالہ مین مصنف نے
استرقاق وتسری یعنی لونڈی غلام بنانیکے متعلق جسقدر روایتین اسلام مین ہین اور مصنف کو ملی ہین،
ان سبکو یکجا کرکے اُن پر گفتگو کی ہے اور جو ان مین خلاف مقصود ہین انکی تضعیف کی ہے اور جنکو وہ
اپنے موافق سمجھتے ہین انکی توثیق کی ہے،

تیسرا رسالہ بھی اسی غلامی کے مسئلہ پر مولوی محمد علی صاحب بچھرایونی کے ایک مضمون مندرجہ
رسالہ "توران خان" کانپور (جو سرسید کی مخالفت مین نکلتا تھا) کی تردید مین ہے، یہ رسالہ مرحوم نے
لکھنؤ مین ۱۸۸۳ء مین لکھا تھا، آخری رسالہ تعدد ازدواج کے جواز وعدم جواز پر ہے، اور اسمین
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کے ایک مضمون متعلق نکاح وطلاق کی
تنقید کی ہے۔

ان چار رسالون کے علاوہ تہذیب الکلام سے ملحق ایک رسالہ ضمیمۂ تہذیب الکلام ہے
جسکو مولوی عبداللہ خانصاحب نے خود تالیف کیا ہے، اس رسالہ مین ذمیون کے ساتھ جزیہ
واداے جزیہ وطریقہ اداے جزیہ مین اسلام نے جو سہولتین رکھی ہین انکو بیان کیا ہے اور فقہا کی

تصریحات سے اصل مطلب کو ثابت کیا ہے، اور ذمیون کی تحقیر کی نسبت بعض فقہا نے آیت وھم صاغرون کے غلط معنی سمجھکر اداے جزیہ کا جو طریقہ لکھا ہے، اسکو نہایت عمدہ دلائل سے رد کیا ہے،

اگرچہ مولانا شبلی مرحوم نے حقوق الذمیین مین جو کچھ لکھدیا ہے اسکے بعد بظاہر اس موضوع پر کسی کو قلم اٹھانیکی ضرورت نہ تھی، لیکن مولوی عبد اللہ خان نے بحیثیت جامع کے یہ لائق تعریف کام کیا کہ ان مضامین کی جو عبارتین فقہاء کے کلام مین ملین انکو سلیقہ سے مع ترجمہ کے یکجا کردیا گو اصل موضوع پر کوئی نیا اضافہ اس سے نہین ہوتا،

مولوی چراغ علی مرحوم کے اصل رسائل مین جنمین سے تین مسئلہ غلامی کے متعلق ہین انکا اصول بحث وہی ہے جسکی تفصیل اوپر ہو چکی ہے، یعنی صحیح وقوی روایات کی تضعیف اور ضعیف روایات کی توثیق وتقویت، آیات کی تفسیر مین محاورات عرب کی عدم مراعات، منع استرقاق کے ثبوت مین غزوات وسیرت کے ان واقعات سے استدلال کیا ہے جنمین یہ مذکور ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے غلامون کو آزاد فرمایا ہے، حالانکہ اس مسئلہ مین کہ غلامون کی آزادی جائز بلکہ مناسب بلکہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، کسی کو اختلاف نہین ثبوت تو اس کا بہم پہنچانا چاہیئے، کہ غلام بنانا اسلام نے جائز کیا ہے، یا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کسی فعل سے اسکا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے دعویٰ اور دلیل مین کوئی مطابقت نہین،

بالفعل ہم اس بحث سے قطع نظر کرتے ہین کہ جن روایات سے انھون نے استدلال کیا ہی وہ محدثانہ حیثیت سے کہانتک ثابت ہین، محدثانہ حیثیت کے واضح کرنیکی ضرورت اسلئے ہوئی کہ انہین رسائل مین مؤیدین جواز استرقاق کی صحیح پیش کردہ روایات کو اس بنا پر مصنف نے رد کردیا ہے کہ

گو وہ صحیح ہین تاہم روایات احاد ہین، جو مفید یقین نہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگون کو اصول حدیث کی مراعات مین کسقدر احتیاط ہے، اس بنا پر ضعیف احادیث مین روایات احاد منقطعات ومراسیل وغیرہ سے کمال درجہ احتراز واجتناب ہوگا لیکن افسوس کہ ایسا نہین ہے -

منع جواز کے ثبوت مین جن احادیث سے کام لیا ہے وہ دو قسم کی حدیثین ہین، ایک تو وہ جنمین یہ مذکور ہے کہ انحضرت صلعم نے غلامون اور لونڈیون کو آزاد فرمایا اور انکے ساتھ نیکی کا حکم فرمایا جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا، ان واقعات سے عدم جواز پر استدلال نہین ہوسکتا، بلکہ اس بات پر ہوسکتا ہے کہ انکو آزاد کرنا جائز ہے، اور انکے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے، اگر نفس استرقاق قطعی ممنوع ہوتا تو جس پیغمبر نے علی الاعلان اپنے قول وعمل سے تمام خبائث وسیئات کو بحکم خدا حرام کردیا وہ اس فعل شنیع کی نسبت کیون مصرح حکم عدم جواز نہ دے سکا، اگر یہ کہا جاے جیسا کہ اکثر کہا گیا ہے کہ چونکہ اہل عرب اس فعل شنیع سے بہت مالوف تھے اور انکے رشتے ناتے تھے، اسلئے بیک دفعہ اسکی حرمت کا اعلان نہین کیا جاسکتا تہا، اسکے جواب مین کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے اپنی زندگی مین ان تمام اعمال شنیعہ کی جن سے اہل عرب مالوف تھے کیا بتدریج انکی حرمت کا صریح اعلان نہین کردیا، شراب وقمار سے زیادہ الفت انکو مسئلہ غلامی سے نہ تھی تاہم وہ بھی تدریجا حرام ہی ہوگئی -

جن ناجائز وغیر صحیح رشتے ناتے کا عرب مین رواج تہا کیا اسلام نے علی الاعلان انکی حرمت کا اظہار نہین کردی، اور اسکا انتظار نہین کیا کہ تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص ہندوستان مین پیدا ہوا اور اسکی زبان سے انکی حرمت کا اعلان کرایا جائے،

دوسری حدیثین وہ ہین جنمین بعض صحیح، بعض غیر صحیح ہین، لیکن اس سے قطع نظر مصنف نے

انکا مطلب غلط سمجھا ہے یا غلط سمجھانیکی کوشش کی ہے، منجملہ انکے ایک حدیث ہے جسکو دارقطنی [illegible]
مصنف نے نقل کیا ہے، کہ حضرت زید بن ارقم صحابی کی ام ولد (وہ لونڈی جسکو بچہ ہوجانے [illegible]
سبب سے، بیوی کے کچھ حقوق دیئے گئے ہون) حضرت عائشہ کی خدمت مین آئی اور عرض [illegible]
مین نے زید بن ارقم کے ہاتھ ۸۰۰ مین ایک غلام اُدہار بیچا پھر ۶۰۰ مین نقد دیکر خرید لیا، حضرت [illegible]
فرمایا کہ تم نے بُری خرید و فروخت کی، اور زید سے میرا یہ پیام کہدینا کہ اگر وہ توبہ نہ کرین تو [illegible]
آنحضرت صلعم کے ساتھ جہاد کا جو ثواب ملا تہا وہ جاتا رہا" مصنف نے اس حدیث کی صحت [illegible]
ثبوت مین بجاے اسکے کہ سلسلۂ اسناد سے اسکی صحت ثابت کرتا، اس نے اسطرح ثابت کیا [illegible]
"دارقطنی کی حدیث ہے، اور دارقطنی ایسے امام تھے اور ایسے محدث تھے اور ایسے ثقہ تھے" [illegible]
یہی محدثانہ اصول تنقید ہے؟ اگر یہی اصول ہے تو امام بخاری کی حدیث جسکو روایات احادیث [illegible]
ٹالدیا جاتا ہے، اس اصول کی بناپر صحیح ترین حدیث ہوگی، کیونکہ بہرحال امام بخاری کا درجہ [illegible]
زیادہ ہے، مصنف کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ حدیث امام ابن حنبل نے مسند مین بھی نقل کی [illegible]
تو شاید اس اصول موضوعہ کے مطابق اپنے استدلال کو اور زیادہ [illegible]
کرسکتے تھے۔

افسوس کہ حدیث کا وہ مطلب نہین جو مصنف نے سمجھا ہے کہ حضرت عائشہ نے [illegible]
حضرت زید بن ارقم کو تہدید کی کہ انھون نے لونڈی کی خرید و فروخت کا معاملہ کیا، بلکہ اصل [illegible]
چونکہ کسی شے کی بیع اول کی قیمت جب تک نقد نہ وصول ہوجائے اسکی بیع ثانی درست [illegible]
شبہہ رباہے، اسلئے حضرت عائشہ نے اسقدر تہدید فرمائی، اگر مصنف مرحوم نے ذرا غور [illegible]
تو انکی اس پیش کردہ روایت کا پہلاہی لفظ وہ خود جسکو صحیح سمجھتے ہین انکے دعوی کی تردید کے [illegible]
کافی تہا، روایت کا آغاز یہ ہے کہ "زید بن ارقم کی اُمِ ولد نے کہا" اگر جاریہ سے استمتاع [illegible]

[illegible] تو ام ولد کی نئی مخلوق کیونکر عالم وجود مین آتی، یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ آیت فداء کے پہلے سے ہوگی
[illegible] لیکن اسکا بار ثبوت مدعی پر ہے،

اسی طرح صفحہ ۱۹۰ کی حدیث ششم و ہفتم کا مطلب بھی صحیح نہین سمجھا گیا، اگر مصنف کی تاویلات کو
[illegible] مان بھی لین تو اسکا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ یہ ثابت ہوجائیگا کہ جو جواری ابھی بحالت قید ہون اور
[illegible] کا منشا، انکے فروخت کرنیکا ہو اُنسے مقاربت جائز نہین،

ناظرین یہ نہ سمجھین کہ ہم اسلام کی طرف سے غلامی کی اس قبیح رسم کی حمایت کررہے ہین جسکے
[illegible] بردہ فروشی یورپ اور امریکا مین مرتکب ہورہے تھے، ہمارے نزدیک تواتر دی احادیث
[illegible] طرح اگر مالک غلام کو گالی دے یا اسکے تھپڑ مارے تو آقا پر فرض ہوجائیگا کہ فوراً اسکو خدا کی راہ مین
آزاد کردے، اور نہ ہم اس حرمسرا کی ہزارون قیدیون کی حرمت کو جائز سمجھتے ہین، جنکا کتاب و
سنت سے کہین جواز نہین ثابت ہوتا اور جو علانیہ مسافحت ہے، جسکی قرآن پاک نے
مخالفت کی ہے۔

برطانیہ نے نیک نیتی سے یا اسلئے کہ اسپین کے مقابلہ مین وہ امریکہ کے میدان مین
کامیاب نہین ہوسکتا تہا جب تک وہ غلامی کا قطعاً انسداد نہ کردے ایک اچھا کام انجام دیا لیکن
اسکے یہ معنی نہین ہین کہ وہ شریعت الٰہی کے مطابق ہے، اور اگر نہین ہے تو کہینچ تان کر شریعت الٰہی کو
اسکے مطابق کیا جائے۔

وہ غلامی جو یہودیون مین مروج تھی، وہ غلامی جو عیسائیون مین بھی، وہ غلامی جو یونانیون اور
رومیون مین تھی، وہ غلامی جو یورپ کے ملکون مین تھی یقیناً حرام و ناجائز ہے، لیکن قیدیان جنگ کا
[illegible] طریقہ آزادی جسکی محدود بندش کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے اور اس زمانہ بندش یا تحدید
[illegible] اختیارات مین آقا کے کام کو انجام دینا انصاف کے خلاف نہین ہے، اسلام مین لفظ "غلامی"

لفظ غلام (عبد) اور لفظ لونڈی (امتہ) کا استعمال بھی ناجائز ہے، اور اُنکے حقوق و مراعات کی
اگر تفصیل کیجائے جو اسلام نے اُنکو بخشی ہے تو ایک رسالہ ہوجائے،

اصل یہ ہے کہ معاشرت و تمدن اور رسوم و رواج کے متعلق جسقدر انسانی فیصلے ہین وہ
اسلئے لغو ولاطائل ہین کہ وہ تمامتر قوم غالب کے رسوم و رواج و تمدن کے ماتحت ہین جب
مسلمان دنیا مین قوم غالب تھے اُنکے رسوم و رواج اور معاشرت و تمدن کے طریق تمام غیر قومون کے
نزدیک قابل تقلید سمجھے جاتے تھے، اور غیر قومین اُنکے مصالح وحکم پر گفتگو کرتی تہین، اسپین
اور ہندوستان مین نقاب پوشی فخریہ اختیار کیجاتی تھی، ڈاڑہی بڑہانا داب معاشرت تہا، اور اسکے
طبی دلائل پیش کئے جاتے تھے، نکاح وطلاق وغلامی کے مسائل مین ان سے سند لیجاتی تھی
اور چپکے چپکے اُن پر عمل کیا جاتا تہا، آج جب دوسری قوم غالب میدان مین ہے تو اُسکے صحیح
اور اچھے و بُرے ہر قسم کے اصول و رسوم و طرق معاشرت و تمدن مایۂ صد فخر اور سزاوار صد حکمت
عورتون کی آزادی، داڑہی کی صفائی بلکہ اب مونچھون کی بھی تعریف و مدح کی بات ہے، حالانکہ
اسکا شدید سے شدید حامی بھی کوئی تسکین بخش دلیل اسکی پیش نہین کرسکتا، اصل بات یہ ہے کہ
قوم غالب کے اثرات نفس پر اسقدر محیط اور مستولی ہوجاتے ہین کہ قومون کے نفسانی خصوصیات
وجذبات و ذوق سب بدل جاتے ہین، اب وہ اُنہین کی آنکھون سے ہر چیز کو دیکھتے ہین اور انہین
کانون سے ہر بات کو سُنتے ہین، پھر اس قوم غالب کے بجائے جب دوسری قوت فاتح آتی ہے
تو پہلی قوم کا نشہ اُتر جاتا ہے، اور دوسری قوم کا تمدن اُنمین سرایت کرنے لگتا ہے، اور اب وہی
دل پسند ہونے لگتا ہے، حالانکہ ان دونون کے اصول تمدن وطرق معاشرت مین وہی فرق ہوتا ہے
جو نور وظلمت اور آسمان و زمین مین ہے،

لیکن اسلام ایک ایسی بوقلمون قومیت اور نیرنگ معاشرت اور شعبدۂ رسوم و رواج نہین

وہ خالق قوی ہستی کی غیر متغیر قوت کا مظہر وجلوہ ہے، فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا، لا تبدیل لخلق اللہ
مانعین غلامی نے جنمین سے ایک مصنف مرحوم بھی ہین، اپنے مقصد کے اظہار کا بالکل غلط طریقہ
اختیار کیا اور یہ وہی طریقہ ہے جسکی سرسید نے رسالۂ ابطال غلامی مین پیروی کی ہے انکو بظاہر
اسلام و غیر اسلام مین لفظ "غلامی" کے مشترک استعمال سے دہوکا نہ کہانا چاہیئے تہا، انکو اسلام کی
اور غیر اسلام کی غلامی مین فرق دکہانا چاہیئے تہا، اور بتانا چاہیئے تہا کہ جسکو تم غلامی کہتے ہو حقیقت
مین اسلام اُسکو ناجائز کہتا ہے، اور جسکو اسلام جائز کہتا ہے (ضروری نہین) وہ غلامی نہین وہ
انسانی غمخواری و ہمدردی ہے

اسلام سے پہلے غلام اپنے آقاؤن کی جائداد تھے، جنکی زندگی ہر حیثیت سے اسلئے تھی کہ
وہ بیلون کی طرح اُنکے کہیت مین ہل چلائین، جانورون کی طرح اُنکے مکان کے لئے اینٹ اور
مٹی ڈہوئین، قیدیون کی طرح وہ تنگ کوٹھریون مین بند رہین،

یورپ غلامی کی شریعت کا ناسخ ہے، لیکن آج محکمون مین، کچہریون، فوجی کیمپون مین،
کارخانون مین، ملون مین، دوکانون مین بدقسمت کام کرنیوالون کی جو کثیر التعداد بھیڑ نظر آتی ہے
اور جو چند پیسون یا روپیون کے لئے وہ جس طرح شب و روز کام مین اپنی جان و صحت اپنے
آقاؤن کی خوشنودی کے لئے قربان کررہے ہین کیا یہ غلامی کے مفہوم سے کوئی الگ حقیقت ہے،
کیا گذشتہ زمانون مین غلامون کا کام یہی نہ تہا اگر یہ حقیقی غلامی نہوتی تو یورپین تمدن مین بالشوزم،
سوشلزم، انارکزم اور اسٹرائک کا گھن نہ لگ جاتا،

اس جنگ عظیم مین جو دنیا کی متمدن قومون کا معرکہ گاہ تھی، باہم مخالف قومون نے قیدیون کے
ساتھ وہ کونسا غلامی کا سلوک تہا جسکو اُنکے ساتھ نہین برتا، کیا اُن سے ہل نہین چلوائے گئے، کانین
نہین کہدوائی گئین، خندقین نہین بنوائی گئین کہانے کم نہین دیئے گئے، خدمتگذاری کی سختیان

انکے ساتھ نہین کی گئین، اور ان سب کا معاوضہ ایک قلیل المقدار بدہضم غذا اور ایک فرسودہ اور کہنہ ستر پوش کپڑا تھا، کیا یہ غلامی نہین ہے؟ دوران جنگ مین وہ کونسی بدکاری تھی جو عمل مین نہین آئی، عورتون کے ساتھ اور خود عورتون نے مجبوراً کیا کیا افعال نہین کئے، اخبارات مین شاید تم نے فوجی شوہرون اور بیویون کی حیاکش داستانین بکثرت پڑہی ہونگی، اور متمدن ترین ممالک کے سنجیدہ ترین اشخاص جنکا نام زیج ہے، آجکل طلاق و خلع و واقعات آبروریزی و شکوک و شبہات ازدواج و ترک تعلقات و فرار و آبادی بازار کے مقدمات اس کثرت سے ان سنجیدہ بزرگون کے سامنے ہین کہ وہ علانیہ اپنی شدید ترین مصروفیت کا اخبارون مین اعلان کرتے ہین،

اگر اسلام نے ان مواقع کا علاج مسئلہ استرقاق (قیدی کو اپنی خدمتگذاری مین لینا) اور تسری (قیدی عورت کو اپنی زوجیت مین قبول کرنا) سے کرتا ہے تو کیا برا ہے،

سرسید مرحوم اور مولوی چراغ علی مرحوم دونون کو قرآن پاک کی اس آیت سے اشتباہ ہوا ہے اور یہی انکے ترکش کا سب سے بے خطا تیر ہے،

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً لڑائی کے بعد قیدیون کو احسان دہر کر دینی مفت (چھوڑ دو) یا زر فدیہ لیکر،

ان بزرگون کا استدلال ہے کہ لڑائی کے بعد قیدیون کے ساتھ صرف دو برتاو ہو سکتے ہین یا مفت بلا معاوضہ آزاد کر دینا، یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا، لیکن بہرحال آزاد کرنا ضروری ہے، ان عالی دماغون نے یہ غور نہین فرمایا کہ انکی آزادی باخذ معاوضہ یا بلا معاوضہ فوراً بلا تراخی کسی مہلت کے بغیر ہونا چاہیئے، یا سال دو سال، چار سال کی مہلت بھی اسکے لئے دیجا سکتی ہے فرض کرو اگر تمام قیدی اس بات پر عہد کرلین کہ وہ کسی قسم کا معاوضہ نہ دینگے، اور سرسید و مولوی چراغ علی مرحوم کا فتوی انکو ایک ہزار برس پہلے معلوم ہوتا تو شاید یہی واقعہ ہمیشہ پیش آتا کہ وہ

کبھی بھی، اور زنہار ایک خرمہرہ بھی زر فدیہ ادا نکرتے، اور لا محالہ مسلمانون کو ان بزرگون کے فتوی کے رو سے فوراً ان قیدیون کو آزاد کر دینا پڑتا، اور جو ان پر صرف کیا جاتا وہ ہمیشہ مسلمانون پر جنگ کے مصارف سے زیادہ بار ہوتا، اور اس طریقہ سے عملاً گویا زر فدیہ اور معاوضہ کا ابطال قطعی ہوجاتا کیونکہ مسلمان اسپر مجبور تھے،

اسلام سے پہلے تمام قومون مین غلامی اور فدیہ کا رواج تھا، شاہان اسلام اور قیصران قسطنطنیہ کی شش صد سالہ معرکہ آرائی مین ہر سال تقریباً یہ واقعہ پیش آتا تھا، اب اگر شاہان اسلام سرسید و مولوی چراغ علی مرحوم کے فتوی پر عمل پیرا ہوتے تو کیا یہ نتیجہ نہوتا کہ انکا تمام شاہی خزانہ اور ملک کی آمدنی مسلمان قیدیون کو انکے ہاتھون سے چھڑانے مین صرف ہوجاتی، اور قیصران روم مذہباً یا قانوناً اس بات پر مجبور نہ تھے کہ وہ دنیا کے رسم و رواج کے مطابق دشمنون سے فدیہ نہ لین، اس بنا پر گویا ہر سال انکو مسلمانون سے آیندہ سال کی جنگ کے لئے بیشمار رقم ملجاتی، شاہان اسلام اور قیصران روم مین ہمیشہ اس اصول پر عمل ہوتا تھا کہ رومی مسلمان قیدیون کو اور مسلمان رومی قیدیون کو لیکر سرحد کے پاس یا کسی ساحل پر پہنچ جاتے تھے اور اپنے اپنے قیدیون کا مبادلہ کر لیتے تھے، اگر تعداد کم و بیش ہوتی تھی تو دفعات معاہدہ کے مطابق اسکا کوئی اور معاوضہ پیش کرتے تھے، اس متمدن دور حکومت مین بھی آج یہی ہو رہا ہے اور یہی ہونا چاہیئے،

ان وجوہ سے سمجھنا چاہیئے کہ اِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً، یا احسان یا فدیہ کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ قیدیون کو اگر مسلمان اخلاقاً اور ترحماً چاہین تو بغیر کچھ لئے آزاد کر دین، اور اگر وہ قانون کے مطابق عمل کرنا چاہین تو انکو حق ہے کہ قیدی سے فدیہ وصول کرین، فدیہ کی تین صورتین ہین، (۱) کوئی متعین رقم لین، (۲) کوئی متعین خدمت پر مقرر کرین، (۳) کسی مسلمان

قیدی کے معاوضہ مین اسکو بدل لین، اب جب تک ان شرطون مین سے ایک پوری ہو تو قیدی
کی ضروریات کا متکفل کون ہو، چنانچہ آقا اسکا متکفل قرار دیا گیا، اور اس مساوات کے ساتھ
جو کچھ وہ خود کھائے وہی قیدی کو کھلائے جو خود پہنے وہی قیدی کو پہنائے، جسوقت قیدی مین
صلاحیت ادائے رقم کی آجائے، آقا کو مجبور کیا جائے کہ وہ آزاد کردے جیساکہ قرآن مجید مین ہے

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتَابَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا وَّ آتُوْھُمْ مِّنْ
مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْ آتٰکُمْ وَلَا تُکْرِھُوْا فَتَیَاتِکُمْ
عَلَی الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَنْ یُّکْرِھْھُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ
مِنْ بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ،

(نور)

تمھارے مملوکون مین سے جو کاروبار کرکے تمھارا
فدیہ ادا کرنا چاہین تو انکو اسکی اجازت دیدو، اگر
ان مین تم صلاحیت دیکھو اور خدا کے مال سے جو
اسنے تمکو دے رکھا ہے انکو بطور سرمایہ کے کچھ دو اور
اپنی مملوکہ لڑکیون کو تعلق پر مجبور نکرو اگر وہ شوہر دار
بننا چاہین (یا پاکدامن رہنا چاہین) تاکہ تم دنیا کی
عارضی فائدے حاصل کرو، اگر اسکے بعد بھی کوئی انکو
مجبور کریگا تو خدا انکے اس مجبوری کے گناہ کو بخشنے والا
(لیکن جبر کرنے والون کو سزا دیگا)

اس تفصیل کے بعد یہ نتیجہ صاف واضح نظر آتا ہے کہ سرسید مرحوم یا مولوی چراغ علی مرحوم نے
اس راہ مین جو کوششین کی ہین انکی بنیاد ریگ روان یا بحر سیال پر ہے اور سچ یہ ہے کہ ہر بات
اپنے موقع ہی پر خوب سمجھ مین آتی ہی، جنگ کے حدود و احکام و مصالح پر ان بزرگون نے امن سلامتی کے زمانہ مین
غور کیا آج ہوتے تو شاید وہ بھی دیکھ سکتے جو آج ہم دیکھ رہے ہین،

رسائل چراغ علی ملکے گلابی کاغذ پر ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت دو روپیہ (۲)، پتہ:
عبد اللہ خان کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

آثارِ علمیہ ادبیہ

نامۂ سرسیّد

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلمار

بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپکا نوازشنامہ اور حصہ اول روداد ندوۃ العلمار پہنچا،
ممنون عنایت ہوا، اُسپر ریویو لکھنا اور فرائض ریویو نویسی کو پورا پورا ادا کرنا کسیقدر مشکل اور نامناسب ہے
ایک عمدہ کام شروع ہوا ہے اسکو چلنے دینا چاہیئے، خدا اسکا نیک نتیجہ پیدا کرے، مین اسکی رسید
اخبار مین چھاپونگا، اور نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی کانفرنس کے اجلاس مین ایک رزولیوشن
پیش کرینگے کہ تمام مسلمانون کو ندوۃ العلمار کی تائید کرنی چاہیئے، غالباً سب لوگ اس سے اتفاق کرینگے،
اور جو آپکا ارشاد ہے اس پیرایہ مین اسکی تعمیل ہو جائیگی، اگرچہ مجھکو کچھ توقع نہین ہے کہ باہم علمار کے
اتفاق ہو، الا کوشش ضرور ہو،

السلام علیکم

خاکسار سید احمد، علی گڈھ

۲۱ - دسمبر سنہ ۱۸۹۴ء

ادبیات

فریادِ اکبر

کونسی بات ہی اسلام کی تجھمین اکبر — شان ہی کیا ہی جو تعظیم طلب کرتی ہے

دیر مین ہو تری تحقیر تو کیونکر یہ کہون — کہ زبان بتِ طناز غضب کرتی ہے

تیرے اطوار دکھاتے نہین جوہر کوئی — بس زبان ہی کہ وہ اظہار نسب کرتی ہے

یاد رکھ بات مری کہدے سمجھ سے اپنی — حفظ ہر وقت جو تاریخِ عرب کرتی ہے

صرف دعوون سے تو آتی نہین عظمت دل مین — آنکھ کچھ دیکھتی ہی تب وہ ادب کرتی ہے

نوائے نواب

از پروفیسر سید نواب علی ایم اے بڑودہ کالج

(۱)

ساری قیدون سے چھڑایا تیری الفت نے مجھے — مجھسے پوچھے تو کوئی میری رہائی کے مز

تیرے دیوانون کا عالم ہی نرالا دیکھا — نہ اسیری کے ہین صدمے نہ رہائی کے مز

واہ کیا وادئ ایمن مین بھٹک کر پہنچے — گمرہی مین ہین تری راہ نمائی کے مز

(۲)

چپکے چپکے دل و دین تو نے تو لوٹے لیکن — ہمنے لوٹے تری دزدیدہ نگاہی کے مز

فلسفی رہنے دے قانون شہادت اپنا — تو نے چکھے ہی نہین دل کی گواہی کے مز

آب حیوان مین بھی نواب نہین ملنے کے — ظلمت شب مین جبین پر ہادئ آگہی کے مز

حلاوتِ علم

از مولوی حافظ محمد اسلم جیراجپوری

امام عصر، ابو بکر ابنِ انباری[ف] — کہ جنکے علم کا ہے فیض آج تک جاری

جہان مین اُنکی تصانیف ہین وہ گلشن علم — کہ جنپہ ہو نہین سکتی کبھی خزان طاری

عرب کے رکھتے تھے ازبر وہ تین لاکھ اشعار — پئے شواہد آیات مصحف باری

عزیز مصر بلاغت، رئیس ملک ادب — محدث و متکلم، مفسر و قاری

نہ جستجوے فراغت نہ خواہشِ آرام — یہ ذوق علم مین رہتی تھی انکو سرشاری

وہ بارگاہِ خلافت کو جاتے تھے اک روز — خلیفہ[۵۲] نے کسی محفل کی کی تھی تیاری

میانِ راہ یہ نخاس مین نظر آیا — کہ ہے ہجوم خلائق پئے خریداری

فروخت ہوتی تھی کوئی کنیز شہر آشوب — متاع حسن کی تھی اسکی گرم بازاری

بہار گلشنِ رعنائی اسکا صفحہ رخ — کہ جسمین خامہ قدرت نے کی تھی گلکاری

خود اسکی سادگی اُسکے لئے تھی آرائش — اگرچہ گوہر و زیور سے جسم تھا عاری

نظر فریب تماشا تھا کیون نہوتے محو! — نگہ کا فرض ہے خوبی کی نازبرداری

خیال آیا تو دربار کو چلے لیکن — خبر خلیفہ کو اسکی پہنچ گئی ساری

جب آے گھر مین وہ واپس تو دیکھتے کیا ہین — وہی کنیز ہے حاضر پئے پرستاری

بہت ہوے متعجب کہ ماجرا کیا ہے — ہین خواب دیکھہ رہا ہون کہ ہی یہ بیداری

سُنا جو حال تو معلوم ہو گیا آخر — کہ یہ خلیفہ کے ہین غنچہ ہاے دلداری

ف امام ابوبکر محمد بن قاسم بن بشار انباری متوفی ۳۲۸ھ

۵۲ خلیفہ راضی باللہ

خوشی ہوئی انہین اس ماہوش کے آنیکی — یہ چاہتے تھے کرین اسکی میہمانداری

دل انکا تہا مگر اسوقت فکر مین مشغول — کہ آپڑی تھی کسی مسئلہ مین دشواری

لگے وہ بیٹھکے پہلے اُسی کو حل کرنے — کہ دل سے دُور ہو اس فکر کی گرانباری

بہم ہوئی کشش علم و جاذب حسن مین جنگ — عجیب مخمصہ مین دل کو تھی گرفتاری

اِدہر کتاب کے صفحہ پہ نقشہاے سیاہ — اُدہر تھے روی نگارین پہ خال زنگاری

سوادِ سلسلۂ خط ہیان نگاہ فریب — دہان وہ زلف مسلسل کمند عیاری

اِدہر جو چاشنیٔ علم کی حلاوت تھی — تو اسطرف لب شیرین کی شہد گفتاری

جمال شاہد معنی تہا اِسطرف دلکش — اُدہر تھی صورت زیبا نگاہ مین پیاری

نہ کشمکش مین ہوا حل وہ عقدہ آخر کار — کچھ اُنکا ذہن نہ اسوقت کر سکا یاری

اس اضطراب مین آیا جو جوش غیرت علم — تو حسن سے ہوئی یک لخت دلکو بیزاری

حوالہ اسکو ملازم کے کردیا فوراً — اور اسکے بیچنے کا حکم بھی ہوا جاری

وہ لیچلا تو کنیزک نے یہ گذارش کی — کہ مجھسے کونسا جرم ایسا ہوگیا بھاری

خطا جو میری ہو ارشاد کیجیے کہ مجھے — نہ بدظنی سے نگاہون مین ہو سبکساری"

کہا کہ کچھ نہین تیرا قصور اِسکے سوا — کہ تیری ذات سے ہے علم کی زیانکاری

زیانِ علم گوارا کرون یہ ہے دشوار — مگر ہے تجھسے بہت سہل دست برداری

سُنا یہ اُس نے تو بولی کہ اب نہین کچھ عذر — قصور یہ ہے جو میرا تو پھر ہی ناچاری

جمال علم ہے جنکی نگاہ مین اسلم
کچھ اُن پہ حسن کی چلتی نہین فسونکاری

پیامِ اُمید

صاحب نظم اپنا نام لکھنے پر راضی نہین کہ یہ انکے رتبہ سے فروتر ہے لیکن ناظرین سمجھ لین کہ یہ نظم ایک جامع البحرین ہستی کی تالیف ہے جنکی شاعری فارسی اور عربی مین مسلّم ہے اور اردو مین نادراً کہتے ہین، یہ نظم ڈاکٹر اقبال کی مشہور نظم "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز مین" پر مبنی ہے۔

نہو مضطرب کہ حقیقت آپ تڑپ رہی ہے مجاز مین
کہ رہے گا ہوکے وہ جلوہ گر جو نہان ہی پردۂ راز مین

یہ خموشیان ہین تری عبث کہ سمجھنے والے سمجھ گئے
جو چھپانے سے نہ چھپا رہے وہ بھی راز ہی کوئی راز مین

یہ بہار کیسی ہے دلکشا ہوئے جاتے عقدے مین سارے وا
نہین کچھ عجب کہ نکل پڑین جو تھے قید زلف دراز مین

جو ہین مست بادۂ سرکشی نہ رہیگی انکی یہ سرخوشی
کہ جو چڑہتے ہین دہی گرتے ہین کہ ہین سُو نشیب فراز مین

کوئی باغبان سے کہو خبر کہ نہین فغان مری بے اثر
کہ چمن مین آگ لگائیگی جو تپش ہے سوز و گداز مین

جو مین بیخودی مین فنا ہوا تو وہ حسن جلوہ نما ہوا
مری حیرت آئینہ بنگئی تھی نگار خانۂ ناز مین،

مطبوعاتِ جدیدہ

دیارِ حبیب، مدینہ طیبہ کے حالات مین مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کا ایک مختصر رسالہ ہے جسکو مولوی شفیع الدین خان مرادآبادی نے بہ ترمیم و اضافہ اردو مین ترجمہ کرکے شایع کیا ہے، اگر مولویصاحب موصوف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا محض ترجمہ کردیتے تو کہین زیادہ اچھا ہوتا، کیونکہ جو اضافے کئے گئے ہین انکا پیوند صحیح طور پر کہین نہیں لگ سکا، آخر کتاب مین دو ضمیمے ہین، پہلا مدینہ کے محلون، مقامات، مخصوص عمارات اور مکہ و مدینہ کے درمیانی منازل کے بیان مین، اور دوسرا عرب کی آبادی، طرز بود و باش اور اخلاق و معاشرت کے متعلق،

اضافون کی نسبت اتنا کہدینا ضروری ہے کہ ان مین اکثر سیرۃ النبی سے ماخوذ ہین، اخذ و نقل کوئی عیب نہین ہے، لیکن تصریحی حوالون کا نہ دینا، داب تصنیف کے خلاف ہے، اور اسکا نام تدلیس ہے، اصل کتاب ۴۴ صفحون کی ہے، جنین پندرہ صفحے ۱ سے ۲۵ تک مسلسل سیرۃ نبوی سے منقول ہین، علامہ مرحوم کے جملون کو بہت کم بدلا ہے، اور جہان بدلا ہے اس سے مصنف کی انشاپردازانہ خامیون کا پتہ چلتا ہے، ضمیمہ اول ۱۲ صفحون کا ہے، ان مین سے بھی ابتدائی تقریباً پانچ صفحے سیرۃ سے ماخوذ ہین، لیکن ماخوذات سیرۃ کو اصل کتاب سے کہین بھی الگ نہین کیا گیا جس سے دہوکا ہوتا ہے کہ چند سطرون کے علاوہ تمام عبارت خود مصنف کی ہے،

لکہائی چہپائی عمدہ، تقطیع متوسط، صفحہ ۸۰، قیمت ۱۲؍ پتہ: حاجی معین الدین انجنیر مرادآباد

عربی کا معلم، مولوی عبدالستار خان صاحب (بمبئی) نے یہ کتاب عربی مدارس کے ابتدائی جماعتون کے لئے لکھی ہے، عربی زبان کی صرف و نحو جسقدر وسیع ہے اسکے لحاظ سے اس کتاب کے مولف کی کوشش قابل تحسین ہے کہ اس نے بہت اختصار و خوش اسلوبی کے ساتھ ضروری مسائل کو جمع کیا ہے، طرز بیان بہت صاف، سادہ اور آسان ہے، زیادہ خوبی یہ ہے کہ قدما کی طرح صرف و نحو دونون کو یکجا کردیا ہے، یہ خوبی ایک عالم انگریزی کی لکھی ہوئی عربی گرائمر کا نمونہ سامنے رکہنے سے پیدا ہوئی ہے، ہر سبق مین قواعد کے ساتھ مشق کے لئے مختلف جملے بھی دیدئے گئے ہین جنکی وجہ سے قاعدہ کے ذہن نشین ہوجانے مین بڑی سہولت ہوتی ہے، یہ کتاب ان انگریزی دانون کے لئے بھی مفید ہوگی جو عربی زبان کی تحصیل کی خواہش رکہتے ہون، لکہائی چہپائی صاف اچھی، صفحہ ۱۲۸، تقطیع چھوٹی، پتہ: مولوی عبدالستار خان معرفت مولوی شرف الدین پرنسپل یتیم خانہ اہل اسلام کھڑک بمبئی نمبر ۳،

بابا نانک، اس کتاب مین شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان نے جو پہلے سکھ مذہب کے پیرو تھے، سکھون کی مستند مذہبی کتابون شری گرنتھ اور جنم ساکہی کلان وغیرہ کے حوالون سے یہ ثابت کیا ہے کہ سکھون کی ابتدا، اسلام سے قربت رکہتی تھی، مگر ہندوانہ رسم و رواج نے اب اسے بہت دور کردیا ہے، خود گرو نانک کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باخدا اسلام پرست بزرگ تھے، ہمیشہ وہ قرآن مجید کی مقدس تعلیمات کو عزیز رکہتے تھے، اور اپنی زندگی کے آخری لمحون تک انہی تعلیمات کی اشاعت و ترویج مین مشغول رہے، کتاب دلچسپ، پرمعلومات اور دلائل سے لبریز ہے، لکہائی چہپائی متوسط درجہ، صفحہ ۱۶۸، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ؍ پتہ: دفتر اخبار نور، قادیان، ضلع گورداسپور، (پنجاب)

نقد آریت، مکتبہ جامعہ الٰہیہ کانپور نے مولانا آزاد سبحانی شیخ جامعہ الٰہیہ کے ان ایکسو ساٹھ اعتراضات کا جو انھون نے وقتاً فوقتاً آریون پر کئے ہین ایک مجموعہ شایع کیا ہے یہ سوالات آریہ مذہب کے مختلف عقاید سے متعلق ہین، اور ان لوگون کے لئے جو آریہ مذہب کے خیالات معلوم کرنا یا مناظرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہین مفید ہین، سوالات کا اکثر حصہ موجودہ زمانہ کے

بالکل مناظرانہ اصول پر ہے، یعنی ان سے مقصود محض مخالف کو لاجواب و ساکت کرنا ہے، بعض
تحقیقین شاید منطقیانہ ہون، بعض ایسے ہین جو الٹ کر بجنسہ آریون کی طرف سے خود معترض پر جو
وارد ہو سکتے ہین، بہرحال مسلمان مناظرین کے لئے یہ رسالے بہت کچھ مفید ہین، اور مکتبہ جامعہ اکبریہ
اپنی جماعت کے لئے اور طلباے مدارس عربیہ کے لئے ایک اچھی خدمت انجام دی ہے
مولانا آزاد سبحانی کے یہ ابتدائی کارنامے ہین اور وقعت کے قابل ہین، لکھائی چھپائی متوسط
صفحہ ۱۶۰، تقطیع چھوٹی، پتہ: منیجر مکتبہ آئینہ جامعہ کانپور،

سفرِ آخرت، یہ ایک مختصر سا رسالہ مولوی ابوتراب عبدالرحمٰن صاحب گیلانوی بہاری
عامۂ اہل اسلام کے لئے لکھا ہے، اور جسکو گیلانی صوبہ بہار کی انجمن تبلیغ الاسلام نے شایع کیا
اس رسالہ مین بیماری کے وقت سے موت تک کے ان ضروری اعمال کی تشریح کیگئی ہے جو مذہب
اسلام کے رو سے ضروری اور قابل عمل ہین، اور جن سے افسوس ہے کہ عوام واقف نہین، وصیت
صدقہ، تجہیز، تکفین وغیرہ کے ضروری مسائل بھی آگئے ہین، یہ انجمن گیا، اور بہاگلپور کے پہاڑی
علاقون مین عمدہ کام کر رہی ہے، ذیل کے پتہ سے طلب کیجئے،

انجمن تبلیغ الاسلام، گیلانی، ڈاکخانہ بربگہہ، ضلع مونگیر، قیمت ۲ر

مجلد چہارم	ماہ ذیقعدہ سنہ ۳۷ھ مطابق اگست سنہ ۱۹ء	عدد دوم

مضامین